

ماہنامہ محدث بنارس

مارچ و اپریل ۲۰۲۳ء ◆ شعبان و رمضان ۱۴۴۴ھ

اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مہینہ رمضان المبارک ۲

روزے کے روحانی و طبی فوائد ۶

زکوٰۃ: اہمیت و فوائد اور چند مسائل ۲۰

مسافر کے روزے: احکام و مسائل ۳۴

عید کا پیغام ۵۴

دارالتالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

جلد: ۴۰

شمارہ: ۳-۴

مجلہ محکمات

شعبان و رمضان

۱۴۴۴ھ

مارچ و اپریل ۲۰۲۳ء

اس شمارہ میں

- ۱- اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مہینہ.... عبداللہ سعود سلفی ۲
- ۲- ماہ رمضان کا پیغام ڈاکٹر عبدالرحیم بسم اللہ ۴
- ۳- روزے کے روحانی و طبی فوائد مدیر ۶
- ۴- حریم شریفین اور بیس رکعات.. عبدالعلیم عبدالحقیظ سلفی ۱۱
- ۵- زکوٰۃ: اہمیت و فوائد اور چند مسائل محمد ایوب سلفی ۲۰
- ۶- ماہ رمضان کے روزے فوائد و حکمتیں ابوصالح دل محمد سلفی ۲۹
- ۷- مسافر کے روزے: احکام و مسائل مجیب الرحمن سلفی ۳۴
- ۸- سنن روایت کے احکام و مسائل ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی ۴۲
- ۹- عید کا پیغام مولانا محمد اسلم مبارک پوری ۵۴
- ۱۰- عید الفطر کے دن کے اعمال ڈاکٹر عبدالرحیم بسم اللہ ۵۷
- ۱۱- مدارس اسلامیہ: اہمیت و افادیت محمد محبت اللہ محمدی ۵۹
- ۱۲- رمضان المبارک کے خصوصی اعمال عبدالرحمن بن محمد ایوب سلفی ۶۵
- ۱۳- ہر دعویٰ پر شخصیت ماسٹر احمد حسین طارق اسعد ۶۹
- ۱۴- اخبار جامعہ مولانا نادل محمد سلفی ۷۲
- ۱۵- باب الفتاویٰ مولانا نور الہدیٰ سلفی ۷۶

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت

مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEFWAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK, KAMACHHA, VARANASI**
A/cNo. **21044906358**
IFSC Code: **IDIB000V509**



بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان: 300 روپے
خصوصی تعاون: 1000 روپے
بہرون ممالک: 50 ڈالر امریکی
فی شمارہ: 30 روپے

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مہینہ رمضان المبارک

عبداللہ سعود

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. (سورۃ بقرہ: ۱۸۵) رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ پس جو کوئی اس مہینہ کو پالے اس پر لازم ہے کہ اس ماہ میں روزہ رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔ (یہ طریقہ بتایا جا رہا ہے) تاکہ تم تعداد پوری کر لو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو اور شکر گزار بنو۔

اس آیت کے بعد فرمایا: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ. (سورۃ بقرہ: ۱۸۶) جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ بتادیں کہ میں قریب ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ لہذا انہیں چاہیے کہ میری باتوں کو مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ رشد و ہدایت کا راستہ پالیں۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر (۱۸۳) میں رمضان کے روزے کی فرضیت کا بیان ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں کتنے دن روزہ رکھنا ہے، یہ بیان کیا گیا ہے، تیسری آیت میں یہ فرمایا کہ روزہ رمضان کے مہینہ میں رکھنا ہے۔ پھر اس کے بعد کی آیت میں یہ بیان ہے کہ اللہ ہم سے قریب ہے اور ہماری دعاؤں کو سنتا ہے اور اس میں اللہ یہ بھی فرماتا ہے کہ مومن کو اللہ کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے اللہ پر ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ اپنے بیان میں اور اپنے فیصلہ میں سچا ہے۔ ہم رشد و ہدایت اسی وقت پاسکتے ہیں جب ان باتوں پر ہمارا مکمل ایمان و عمل ہو۔

رمضان المبارک برکتوں کا مہینہ ہے اور اس ماہ میں اللہ سے تقرب حاصل کرنے کے بہت سے مواقع ہیں۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ کی امت پر اللہ کا خاص کرم و احسان ہے کہ سال میں ایک ایسا مہینہ عطا فرمایا جس میں نیکی کے کاموں کا اجر بہت زیادہ ملتا ہے اسی ماہ میں آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کی عبادت ایک ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے۔ اللہ نے اس کو خاص اہمیت دی اور قرآن مجید میں خاص ایک سورۃ القدر نازل فرمائی۔ یہ لیلۃ القدر کی عظمت و قدر بتانے کے لیے کوئی معمولی شہادت نہیں ہے۔ اس پر ہر مسلمان کا ایمان کامل ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ روزہ کا ثواب اپنی طرف سے خاص عطا فرماتا

ہے۔ روزہ دار کے لیے جنت میں خاص دروازہ بنایا ہے جس کا نام ’ریان‘ ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: من صام رمضان إیماناً واحتساباً غفر له ما تقدم له من ذنبه. (بخاری: ۲۰۱۴) جو رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رکھے گا اس کے پرانے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے یا باغی الخیر أقبل ویا باغی الشر أقصر. کہ اے نیکی کی تلاش کرنے والوں آگے بڑھو اور اے برائی کرنے والوں رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ میں بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب کوئی روزہ رہے تو نہ کوئی غلط بات کرے نہ شور کرے، اگر کوئی اس سے جھگڑا یا گالی گلوچ پر آمادہ ہو تو یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ بھائی میں روزہ سے ہوں۔ (بخاری: ۱۹۰۴)

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی جھوٹ بولنے اور غلط کاموں کو ترک نہ کرے تو اللہ اس کا محتاج نہیں کہ ایسا شخص بھوکا و پیاسا رہے۔

رمضان کا مہینہ عبادت و ریاضت کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مبارک میں اللہ کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ مسلمان اس ماہ کو غنیمت سمجھے اور اس سے جو کچھ ممکن ہو محنت کرے اور نیک اعمال کرے، یہ قرآن مجید کی تلاوت، تراویح و تہجد کی نمازیں، شب قدر کے خاص اہتمام کے ساتھ غریبوں و نادار لوگوں پر خرچ کرنے، صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بہترین موسم ہوتا ہے۔ دین کی بقا اور اسلامی تعلیمات کی نشرو اشاعت کے لیے قائم ادارے بھی خرچ کرنے کے لیے صحیح جگہ ہیں۔ مسلمان جہاں نیکی کی طرف سبقت کی کوشش کرتا ہے اسی طرح اس کو برے کاموں سے پرہیز بھی کرنا چاہیے۔ بے جا فضول خرچی، غیر اسلامی رسم و رواج، جھوٹ فریب اور غیبت و تجسس سے بچنا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا روزہ مقبول ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ سب سے سخی انسان تھے اور آپ کی سخاوت و فیاضی اس وقت عروج پر ہوتی جب رمضان کی راتوں میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ مسلمان کو چاہیے کہ کم از کم ایک بار قرآن کا دور ضرور کرے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو رمضان المبارک کے مہینہ میں اپنی خاص رحمتوں سے نوازے، صحت و عافیت کے ساتھ دن میں روزہ رکھنے، رات میں عبادت کرنے اور قرآن کا دور کرنے کی توفیق دے۔ ہمارے کاموں اور کاروبار میں برکت عطا فرمائے اور اس کی ہدایت کے مطابق خیر کے کاموں میں دل کی فراخ دلی کے ساتھ رضائے الہی کی طلب میں صدقہ و خیرات کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

ماہ رمضان کا پیغام

ڈاکٹر عبدالخلیم بسم اللہ

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كانت أول ليلة من رمضان صفت الشياطين مردة الجن، وغلقت أبواب النار، فلم يفتح منها باب، وفتحت أبواب الجنة فلم يغلق منها باب، وينادي مناد: يا باغي الخير أقبل، ويا باغي الشر أقصر، ولله عتقاء من النار، وذلك كل ليلة. (جامع الترمذي: ۶۸۳، وسنن ابن ماجه: ۱۶۴۲، وصححه الألباني)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کر دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کسی بھی دروازے کو نہیں کھولا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کسی بھی دروازے کو بند نہیں کیا جاتا اور ایک منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ اے نیکیوں کے طلبگار تم نیکیوں میں آگے بڑھو اور اے برائیوں کے طلبگار تم برائیوں سے رک جاؤ۔ اور جہنم سے ہر رات لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔

ماہ رمضان عربی سال کا نواں مہینہ ہے، یہ نہایت ہی خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ رحمتوں کے نزول کا مہینہ ہے، تمام مہینوں میں سب سے افضل مہینہ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ماہ میں لوگوں کے لیے خاص اہتمام کیا ہے اور نیکیوں کے کمانے اور برائیوں سے بچنے کا مکمل انتظام کر دیا ہے۔ وہ اس طور سے کہ جو، ہی رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ شیاطین اور سرکش جنوں کو قید کر دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کے بندوں کو صراطِ مستقیم سے گمراہ نہ کریں، انہیں اعمالِ صالحہ سے نہ روکیں، برائیوں پر نہ ابھاریں، گناہوں کی دلدل میں نہ ڈھکیلیں اور جہنم کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کسی بھی دروازے کو نہیں کھولا جاتا تاکہ بندہ جہنم سے دور رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ماہ رمضان کے استقبال میں جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کسی بھی دروازے کو بند نہیں کیا جاتا اور بطور یاد دہانی ایک منادی کرنے والا آواز لگاتے ہوئے کہتا ہے اے نیکیوں کے طلبگار تم زیادہ سے زیادہ نیکیاں کماؤ، نیکیاں جمع کرنے اور سمیٹنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، خوب اعمالِ صالحہ کرو اور جنت میں داخلے کے حقدار بنو، جنت کے تمام دروازے تمہارے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔

محترم قارئین! رمضان المبارک کا اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے کس قدر اہتمام کیا ہے تاکہ بندے زیادہ سے

زیادہ نیک اعمال کریں، صوم و صلوة کی پابندی کریں، صدقہ و خیرات کریں، آپس میں اخوت و محبت کا مظاہرہ کریں، غریبوں، مسکینوں کی مدد کریں، رشتے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ ہر قسم کے گناہوں سے توبہ کریں اور اس سے معافی مانگیں، اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کریں اور ہمیشہ نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، ہر قسم کی برائیوں سے مکمل اجتناب کریں، ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہیں، جہنم میں لے جانے والے اعمال سے بچیں اور جنت کے طلبگار بنیں اور دنیا میں حقیقی متقی، سچے مومن بن کر زندگی گزاریں۔ یہی رمضان کا پیغام ہے۔ اسی واسطے رب العالمین نے لوگوں پر ماہ رمضان کے روزوں کو فرض کیا ہے۔ فرمایا: یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ (البقرہ: ۱۸۳) کہ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم سب متقی اور اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔

اس ماہ کی آمد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر اہتمام اس بات کا اشارہ ہے کہ بندوں کو اس ماہ میں خصوصی طور سے عبادات، صوم و صلوة، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن کا خوب التزام کرنا چاہیے، معاصی اور منکرات سے دور رہنا چاہیے۔ محترم قارئین! نبی کریم ﷺ ماہ رمضان میں دیگر مہینوں کے بالمقابل اعمال صالحہ کا خوب اہتمام کرتے تھے۔ آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور جبرئیل امین آپ کے پاس ہر سال رمضان میں تشریف لاتے اور قرآن زبانی سنا کرتے تھے۔ آپ اس ماہ میں بکثرت صدقات و خیرات کرتے، سخاوت و فیاضی کا خوب اہتمام کرتے حتیٰ کہ تیز ہواؤں سے زیادہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتے، قیام اللیل کا خاص اہتمام کرتے، اپنے اہل و عیال کو جگاتے، انہیں بھی صیام و قیام اور تلاوت قرآن کی تلقین کرتے، اللہ سے دین و دنیا کی بھلائی کی دعائیں کرتے، ذکر و اذکار کرتے، اسلام کی سر بلندی کے لیے فریاد کرتے، مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے اللہ سے سوال کرتے، ہمیں بھی اس ماہ مبارک میں اپنے رسول کی سنت پر عمل کرنا چاہیے، خوب سے خوب نیکیاں کرنا چاہیے اور گناہوں سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ ہم جنت کے مستحق بن سکیں اور جہنم کے عذاب سے بچ سکیں۔

حدیث سے ماخوذ علمی مسائل:

- ۱- ماہ رمضان نہایت ہی خیر و برکت کا مہینہ ہے۔
- ۲- اس ماہ میں شیاطین اور سرکش جنوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔
- ۳- اس ماہ میں جہنم کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔
- ۴- نیک لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کرنا چاہیے۔
- ۵- برائی کرنے والوں کو اپنی برائی سے توبہ کرنی چاہیے۔
- ۶- جہنم سے آزادی کے لیے اللہ رب العالمین سے دعائیں کرنی چاہیے۔

روزے کے روحانی و طبی فوائد

مدیر

ماہ رمضان اپنے تمام ترفیوض و برکات کے ساتھ ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یہ ماہ مبارک ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے۔ شہر القرآن اور شہر الصبر ہے، اس مہینے کی اہم عبادت روزہ ہے جو ہر عاقل، بالغ صحت مند مرد و عورت پر فرض ہے۔ ارشاد ربانی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة: ۱۸۳) اے ایمان والو تم پر رمضان المبارک کے روزے فرض قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔

صوم کا شرعی معنی و مفہوم صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی سے ہم بستری سے اللہ کی رضا کے لیے رکے رہنا ہے۔ یہ عبادت نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لیے بہت ہی اہم ہے اور اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے اور تقویٰ انسان کے اخلاق و کردار کے سنوارنے میں اہم اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ ارشاد ربانی ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرة: ۱۸۵) ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے اسے روزہ رکھنا چاہیے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

مذکورہ دونوں قرآنی آیات رمضان المبارک کے روزے کی فرضیت کے لیے دلیل قاطع ہیں۔ پہلی آیت کریمہ کے اندر روزے کی فرضیت کا بنیادی مقصد حصول تقویٰ بتایا گیا ہے۔ دراصل روزے کا سب سے بڑا فائدہ حصول تقویٰ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ تقویٰ کا مطلب دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اس طرح راسخ ہو جانا ہے کہ انسان اس کی نافرمانی کے ارتکاب سے باز رہے، ہر قدم سوچ کر اٹھائے اور زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں اس کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کرے، اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا و خوشنودی کو قرار دے اور دنیا میں اپنی زندگی اس طرح سے گزارے کہ ہمہ وقت اس کو یہ

فکر دامنگیر رہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے کیسے بچا سکتا ہے۔ روزے کے ذریعہ ایک مومن کے اندر تقویٰ کی صفت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ ایک مومن بندہ دن کے وقت روزے کی حالت میں کھانے سے اور اپنی بیوی سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے سے باز رہتا ہے حالانکہ عام حالات میں یہ چیزیں اس کے لیے ناجائز اور حرام نہیں ہیں، لیکن ایک مومن روزے کی حالت میں یہ حلال و مباح کام بھی نہیں کرتا گھر کی چہار دیواری کے اندر اور چھپ کر بھی وہ ان کاموں کو انجام نہیں دیتا ہے صرف اس لئے کہ اسے اللہ کا ڈر ہے اللہ نے اسے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے اور وہ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ہے، یہی وہ جوہر ہے جو روزے کا اصل مقصد ہے، ایک مومن محض اللہ کے ڈر سے کچھ وقت کے لیے جائز کام کرنے سے بھی رک جاتا ہے گویا کہ یہ چیز اس کے اندر اس احساس اور شعور کو پیدا کرتی ہے کہ وہ ہر قدم پر اپنے آپ کو گناہوں اور اللہ کی نافرمانی سے بچائے، اپنے نفس کا تزکیہ کرے اور گناہوں سے اپنے دامن کو کبھی بھی داغدار نہ ہونے دے، واضح یہ ہوا کہ روزے کے ذریعہ ایک مومن کی ایمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا نقش اس کے دل کے اندر مزید گہرا ہو جاتا ہے اس کے عقیدہ آخرت میں تازگی اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔

ایک مومن بندہ روزے کے ایام میں ایک خاص وقت میں کھانے پینے اور جائز شہوت سے رک جاتا ہے پھر روزہ پورا ہو جانے کے بعد (سورج غروب ہو جانے پر) کھانا پینا شروع کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ فرمانبرداری اللہ کی عبودیت و بندگی و خود سپردگی کا جذبہ و شعور پیدا کرتی ہے اور اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اسے ہمہ وقت اللہ کی مرضی و منشا کے مطابق ہی زندگی گزارنا ہے، دراصل ایک مومن کے احوال و کیفیت میں یہ جو تبدیلی آتی ہے وہ روزے کا کمال ہے ایک مسلمان خواہ وہ امیر ہو یا فقیر، رعایا ہو یا حکمراں، آقا ہو یا غلام، حاکم ہو یا محکوم، عورت ہو یا مرد، سب کے سب اطاعت و فرمانبرداری کے ایک ہی جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور اس رنگ کا غلبہ پورے معاشرے پر ہوتا ہے اور پورا معاشرہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا مستحق بن جاتا ہے اللہ اپنی خصوصی رحمتوں اور برکتوں کا نزول فرماتا ہے اور اپنے بندوں کو بنفس نفیس اجر عطا فرماتا ہے۔ اس حقیقت کو اللہ کے رسول ﷺ نے ایک حدیث قدسی کے اندر کچھ یوں بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے کہ وہ صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا اور روزہ ایک ڈھال ہے پس جب تم میں سے کسی کا روزے کا دن ہو تو دل لگی باتیں نہ کرے اور نہ شور و غل کرے اور اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں تو روزے دار ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے روزے دار کے منہ کی بوا اللہ کے یہاں مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ روزے دار کے لیے دو خوشی کے موقعے ہیں جن میں وہ خوش ہوتا ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے تو اپنے روزے کھولنے سے خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملے گا تو اس کی جزاء دیکھ کر اپنے روزے سے خوش ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث مبارک کے اندر روزے کو ڈھال کہا گیا ہے، روزہ دراصل نفس کی بڑھتی ہوئی سرکشی کو لگام دیتا ہے اور اس کی حیوانی خواہشوں کو بھی بے قابو نہیں ہونے دیتا اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے نوجوانوں کو جن کے اندر شہوت کا غلبہ ہے اور ان کے پاس شادی کرنے کی استطاعت نہیں ہے روزہ رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے: اے نوجوانوں کی

جماعت تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ شادی کر لے اس لیے کہ یہ شادی نگاہوں کو پست رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے میں بہت زیادہ معاون ہے اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ روزہ اس کی نفسانی خواہشوں کے زور کو توڑ دینے والا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ”جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم) بلاشبہ شیاطین کے جکڑ دیئے جانے سے انسان کے اندر نیکی کے رجحان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ شیاطین کے شر سے محفوظ ہو کر خیر و بھلائی کے کاموں میں لگ جاتا ہے، رمضان المبارک کے مہینہ میں بعض ایسی نیکیوں کی ترغیب دی گئی ہے جن کو انجام دے کر انسان دنیا میں بھی سرخرو ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اجر عظیم کا مستحق ہوتا ہے۔ روزے دار کو روزے کی حالت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ دل لگی کی بات نہ کرے، شور و شغب سے اجتناب کرے، لڑائی جھگڑا اور بکواس و بے ہودہ گوئی سے اپنے آپ کو بالکل دور رکھے، اپنی زبان کو گالیوں سے آلودہ نہ کرے اگر کوئی لڑائی جھگڑا پر آمادہ ہو تو اس سے یہ کہہ کر نکل جائے کہ میں روزے سے ہوں، یہ ہدایت دراصل اخلاقی تربیت ہے اس عظیم رہنمائی کو قبول کر کے ایک انسان اخلاق و کردار کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے، روزہ رکھ کر آدمی بھوک و پیاس کی شدت کو بخوبی محسوس کرتا ہے، اور یہ روزہ امیر و غریب سب پر فرض ہے، ایک امیر آدمی روزے کی حالت میں جب بھوک اور پیاس کی شدت کو محسوس کرتا ہے تو ایسی حالت میں اسے وہ فقراء و مساکین اور نان شبینہ کے لیے ترستے ہزاروں اور لاکھوں انسان یاد آتے ہیں، ان کی پریشانیوں کا اسے احساس ہوتا ہے یہیں سے اس کے اندر انسانی اخوت و ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اسے محتاجوں اور فقیروں کی دشواریوں کا احساس ہوتا ہے اور نفس کے اندر دوسروں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ انسانی ہمدردی کو عملی شکل دینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، وہ روزہ داروں کے لیے افطار کا انتظام کرتا ہے، سحری کے کھانے کا انتظام کرتا ہے محتاج گھروں کو تلاش کر کے ان کے گھر راشن اور ضروریات زندگی کے سامان پہنچاتا ہے، یتیموں اور یتیم خانوں کی خبر گیری کرتا ہے، یہ سب اعمال حسنہ انسان کی اخلاقی تزکیہ و تربیت میں اہمیت زیادہ ممد و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ جب رمضان کا مہینہ گزرنے لگتا ہے اور روزے اختتام کو پہنچتے لگتے ہیں اور عید آنے والی ہوتی ہے تو عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ الفطر ادا کرنے کا حکم بھی انسانی ہمدردی کی ایک اعلیٰ مثال ہے، اسے عید گاہ جانے سے پہلے ادا کرنے کی تاکید اس لیے ہے کہ غرباء و مساکین کے کھانے کا انتظام ہو جائے اور وہ بھی عید کی خوشی میں عام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو سکیں۔

رمضان شہر القرآن ہے اس ماہ میں قرآن کا نزول ہوا ہمارے رسول ﷺ کو اس ماہ میں بطور خاص قرآن کریم کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ دور کرایا جاتا تھا جیسا کہ صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آ کر آپ سے ملتے تو آپ اور زیادہ سخی ہو جاتے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور آپ سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے پس یقیناً رسول اللہ ﷺ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے بھلائی میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔ (بخاری و مسلم)

رمضان المبارک کے اندر ایک مسلمان کثرت تلاوت اور قراءت قرآن و فہم قرآن کا خصوصی اہتمام کرتا ہے، مساجد میں تراویح کی نماز میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، عام مسلمان جو عام دنوں میں قرآن پڑھ یا سن نہیں پاتے وہ رمضان کے مہینے میں قرآن سننے کا خاص اہتمام کرتے ہیں جس سے ان کے ایمان میں تازگی آتی ہے اعمال صالحہ کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہوتا ہے اور بہت سارے لوگ قرآن کریم کی تاثیر سے متاثر ہو کر پورے سال قرآن کریم سے اپنا لگاؤ باقی رکھتے ہیں، صلاۃ تراویح، نقلی عبادات، صدقہ و خیرات، دعاء و مناجات یہ سب رمضان المبارک کی خاص عبادات ہیں جن کا انسانی تربیت میں بڑا عمل دخل ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ رمضان کے مقدس مہینے میں انسان کا نفس پاک ہو جاتا ہے اور اس کے جذبات میں اعتدال اور روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور ایک مسلمان اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے، ہر قسم کے اچھے کام اور اچھی عادتیں اس کی زندگی میں داخل ہو جاتی ہیں اور وہ ہر قسم کے نیکی کے کاموں کو انجام دینے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے روزے کی اسی حکمت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے: ”اور روزہ ایک بہت بڑی نیکی ہے وہ ملکیت (فرشتوں والی صفات) کو قوی کرتا ہے اور بہیمیت (شیطانی قوت) کو کمزور کرتا ہے اور روح کے چہرے کو صیقل کرنے اور بہیمی طبیعت کو مغلوب کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۷۵) رمضان اور روزوں کے ان روحانی فوائد و ثمرات کے ذکر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روزے کے کچھ طبی فوائد کا بھی ذکر کر دیا جائے بہت سارے لوگ بیماریوں کا بہانہ بنا کر روزے کے ان ثمرات و برکات سے اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں بلاشبہ روزہ انسان کے لیے ایک الہی عطیہ ہے، انسانی زندگی پر اس کے بے شمار مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں، روزہ صرف روحانی تطہیر ہی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ اس کی مشق سے انسانی جسم کو بھی بے پناہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، روزے کے طبی فوائد کے ذکر کو طول نہ دیتے ہوئے یہاں ہم ماہرین کے چند اقوال ذکر کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ پروفیسر موریا لڈ آکسفورڈ یونیورسٹی کی پہچان مانے جاتے تھے، انہوں نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے اسلامی علوم کا مطالعہ کیا اور جب روزے کے باب پر پہنچا تو میں چونک پڑا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اتنا عظیم فارمولہ دیا ہے اگر اسلام اپنے ماننے والوں کو اور کچھ نہ دیتا صرف یہی روزے کا فارمولہ ہی دیتا تو پھر بھی اس سے بڑھ کر ان کے پاس اور کوئی نعمت نہ ہوتی۔ میں نے سوچا کہ اس کو آزمانا چاہیے پھر میں نے روزے مسلمانوں کی طرز پر رکھنا شروع کر دیئے میں عرصہ دراز سے معدے کے ورم (Stomach Inflammation) میں مبتلا تھا کچھ دنوں کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ اس میں کمی واقع ہو گئی ہے میں نے روزوں کی مشق جاری رکھی پھر میں نے جسم میں کچھ اور تبدیلی بھی محسوس کی اور کچھ ہی عرصہ بعد میں نے اپنے جسم کو نارمل پایا حتیٰ کہ میں نے ایک ماہ بعد اپنے اندر انقلابی تبدیلی محسوس کی۔

(PEGS Analysis) پوپ ایلف گال یہ ہالینڈ کا بڑا پادری گزرا ہے، اس نے روزہ کے بارے میں اپنے تجربات بیان کئے ہیں: ”میں اپنے روحانی پیروکاروں کو ہر ماہ تین روزے رکھنے کی تلقین کرتا ہوں میں نے اس طریقہ کار کے ذریعہ جسمانی اور روزنی ہم آہنگی محسوس کی میرے مریض مسلسل مجھ پر زور دیتے کہ میں انہیں کچھ اور طریقہ بتاؤں لیکن میں نے یہ

اصول وضع کر لیا کہ ان میں وہ مریض جو علاج ہیں ان کو تین یوم نہیں بلکہ ایک ماہ تک روزے رکھوائے جائیں میں نے شوگر (Dibetese) دل کے امراض (Heart Diseases) اور معدے کے امراض میں مبتلا مریضوں کو مستقل ایک ماہ روزے رکھوائے، شوگر کے مریضوں کی حالت بہتر ہوئی، ان کی شوگر کنٹرول ہوگئی، دل کے مریضوں کی بے چینی اور سانس کا پھولنا کم ہوا، معدے کے مریضوں کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا۔

ڈاکٹر لوٹھر جیم آف کیمبرج فارما کالوجی (Pharmacology) کے ماہر تھے، ہر چیز کو غور اور توجہ سے دیکھنا ان کے مزاج میں تھا، انہوں نے سارا دن خالی پیٹ (روزے دار) شخص کے معدے کی رطوبت (Stomach Secretion) لی اور پھر اس کا لیبارٹری ٹیسٹ کیا اس میں اس نے محسوس کیا کہ وہ غذائی متعفن اجزاء (Food Particals Septic) جن سے معدہ امراض کو قبول کرتا ہے بالکل ختم ہو جاتے ہیں، لوٹھر کا کہنا ہے کہ روزہ جسم اور خاص طور پر معدے کے امراض میں صحت کی ضمانت ہے۔

سگمنڈ نارائیڈ (Sigmond Narayad) مشہور ماہر نفسیات ہے اور اس کی تھیوری نفسیاتی ماہرین کے لیے نشان راہ ہے، موصوف فائدہ اور روزے کا قائل تھا، اس کا کہنا ہے کہ روزے سے دماغی اور نفسیاتی امراض کا کلی خاتمہ ہوتا ہے، جسم انسانی میں مختلف ادوار آتے ہیں لیکن روزہ دار آدمی کا جسم مسلسل بیرونی دباؤ (External Pressure) کو قبول کرنے کی صلاحیت پالیتا ہے، روزہ دار کو جسمانی کھچاؤ (Body Congestion) اور ذہنی ڈپریشن (Mental Depression) سے سامنا نہیں ہوتا۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس، از حکیم طارق محمود چغتائی، ص: ۱۶۵-۱۶۷)

مذکورہ ماہرین کے بیان سے یقیناً ہمیں روزے کے طبی فوائد و ثمرات اور انسانی جسم پر روزے کے مفید اثرات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، روزہ دار اپنے تجربے سے بھی ان حقائق کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مہینہ کے روزہ رکھنے کا جو پابند بنایا ہے یہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ہمارے اوپر یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمیں اس نعمت سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ سال کے دیگر ایام میں نفل روزے بھی ہیں، ان روزوں کی پابندی کر کے ہم پورے سال اپنی صحت و تندرستی کا خیال رکھ سکتے ہیں۔

قارئین کرام! ہم اللہ کے بندے ہیں، اللہ نے ہمیں ایمان و یقین کی دولت سے نوازا ہے، ہمیں یقین ہے کہ ہماری دوسری اور دائمی زندگی آخرت ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم عام دنوں میں نیکیاں کرنے کا اہتمام تو کریں ہی نیز رمضان کے خاص ایام میں ہم حسنات و خیرات، نیکیاں و بھلائیاں، فرائض و نوافل، تلاوت قرآن، دعا و مناجات اور غرباء و مساکین کی خبر گیری، ان کے ساتھ حسن سلوک، معاشرے کے کمزور طبقے کے ساتھ احسان و غیرہ کا خصوصی اہتمام کریں۔ رمضان کے مبارک مہینے میں اپنے قیمتی اوقات فضول اور لایعنی کاموں، فواحش و منکرات اور معاصی کے ارتکاب میں ضائع نہ کریں۔ اللہ ہمیں حسن عمل کی توفیق بخشے اور ہماری نیکیوں اور حسنات کو قبول فرمائے۔ آمین

حریم شریفین اور بیس رکعات تراویح چند حقائق اور وجوہات

عبدالعلیم عبدالحفیظ سلفی

معرفت ہو سکے۔ واضح رہے کہ اس تحریر کا مقصد صرف حریم میں بیس رکعات تراویح پر تسلسل اور اجماع کے دعویٰ کا بطلان ہے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت:

تراویح، تہجد یا قیام اللیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ گھر میں پڑھتے صرف تین راتیں آپ نے جماعت سے پڑھائی، جیسا کہ صحیحین وغیرہ کی عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت میں ہے، فرماتی ہیں: "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فِي حُجْرَتِهِ وَجِدَارِ الْحُجْرَةِ قَصِيرًا، فَرَأَى النَّاسَ شَخْصَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ أَنَسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ فَأَصْبَحُوا فَتَحَدَّثُوا بِذَلِكَ، فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ فَقَامَ مَعَهُ أَنَسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، صَنَعُوا ذَلِكَ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ جَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَخْرُجْ"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اپنے حجرہ کے اندر (تہجد کی) نماز پڑھتے تھے۔ حجرے کی دیواریں پست تھیں اس لیے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ صبح کے وقت لوگوں نے اس کا

حریم شریفین وہ مقدس مقامات ہیں جو مہبط وحی اور اسلام کا مرکز اساسی ہیں، ان کی اہمیت و فضیلت کا بیان کتاب و سنت میں بکھرے پڑے ہیں، اسی وجہ سے ان مقامات مقدسہ سے مسلمانوں کا لگاؤ و فطری ہے، جب بھی مسلمانوں میں کسی مسئلہ کو لے کر کوئی بحث ہوتی ہے تو لوگ ان مقامات کی طرف بھی دیکھتے ہیں کہ وہاں کا عمل کیسا رہا ہے، اور اب کیسا ہے؟ حالانکہ لوگ مانتے وہی ہیں جو ان کے مسلک میں ہے، البتہ ان کے دیکھنے کی وجہ صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ اپنے مسلک کے اثبات کے لئے ان میں کوئی دلیل مل جائے، اور مد مقابل پر غلبہ پانے کا کوئی وسیلہ پالیں، حالانکہ بہت سارے لوگ حقیقت کی معرفت بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس ذریعہ سے دین کے امور کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ تراویح کی رکعتوں کا ہے جو کئی صدیوں سے لوگوں میں معرکتہ آراء بنا ہوا ہے، کچھ لوگ بڑھ چڑھ کر اس بات کو دلیل بناتے ہیں کہ وہاں صرف بیس رکعتیں ہی پڑھی جاتی ہیں اور ماضی میں بھی پڑھی جاتی رہی ہیں، یہاں تک کہ اس معاملے میں اجماع تسلسل کا بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہاں بیس کے علاوہ کبھی کچھ پڑھی ہی نہیں گئی، ذیل کی سطور میں ہم اسی نقطے کی مختصر وضاحت کریں گے تاکہ حقیقت کی

- یہ بات بھی مد نظر رہے کہ مختلف روایات میں تراویح باجماعت پڑھنے کی فضیلت بھی وارد ہے جیسا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ"۔ جس نے امام کے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام لکھا جائے گا۔ (سنن ابی داؤد/ 1375، سنن الترمذی/ 806، سنن ابن ماجہ/ 1327، سنن النسائی/ 1365 علامہ البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح سنن ابن ماجہ/ 1327)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رکعتوں کی تعداد:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتیں پڑھتے تھے اس کی وضاحت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تراویح یا تہجد کی نماز) رمضان میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ، فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ تَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ قَالَ: (تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي)۔ رمضان ہو یا کوئی اور مہینہ آپ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے، تم ان کے حسن و خوبی اور طول کا حال نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے، ان کے بھی حسن و خوبی اور طول کا حال نہ پوچھو، آخر

ذکر دوسروں سے کیا۔ پھر جب دوسری رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اس رات بھی کھڑے ہو گئے۔ یہ صورت دو یا تین رات تک رہی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ رہے اور نماز کے مقام پر تشریف نہیں لائے۔ (صحیح البخاری/ 729، 924 صحیح مسلم/ 761)۔

تین دنوں کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کو تراویح کی جماعت نہ کرانے کی وجہ کے بارے میں جب صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: "إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ"۔ میں ڈرا کہ کہیں رات کی نماز (تہجد) تم پر فرض نہ ہو جائے۔

اور بعض الفاظ میں ہے: "أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا" آپ نے کلمہ شہادت پڑھی پھر فرمایا: أما بعد: مجھے تمہاری اس حاضری سے کوئی ڈر نہیں لیکن میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے، پھر تم سے یہ ادا نہ ہو سکے۔

مذکورہ روایتوں سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں:

- تراویح باجماعت سنت سے ثابت ہے۔

- گھر میں بھی تراویح ادا کی جاسکتی ہے۔

- آپ نے تین دنوں کے بعد جماعت اس لئے نہیں

کرائی کہ: آپ کو امت پر تراویح فرض ہونے کا خدشہ تھا۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو یہ خدشہ بھی ختم ہو گیا؛ کیونکہ شریعت مکمل ہو چکی ہے۔

أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ"۔ (صحیح البخاری/2010)۔ " میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور منتشر تھے، کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا، اور کچھ کسی کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اگر میں تمام لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ اچھا ہوگا، چنانچہ آپ نے اسی عزم کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام بنا دیا۔ پھر ایک رات میں ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے اور (رات کا) وہ حصہ جس میں یہ لوگ سو جاتے ہیں اس حصہ سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ (کی فضیلت) سے تھی کیونکہ لوگ یہ نماز رات کے شروع ہی میں پڑھ لیتے تھے۔

یہ عمر رضی اللہ عنہ کا ایک دانشمندانہ اقدام تھا جس کی مثال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں موجود تھی، اس وجہ سے جو لوگ اسے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایجاد کردہ بدعت کہتے ہیں وہ سراسر دین کے رموز و مسائل سے ناواقف ہیں، اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ خلفاء راشدین میں سے ایک کی سنت ہے جس کی اتباع کا حکم حدیث میں دیا گیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ"۔ تم میری سنت

میں تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔ میں نے ایک بار پوچھا، یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح بخاری/3569، صحیح مسلم/738)۔ صحابہ کرام کا ذوق و جذبہ:

تراویح کے سلسلے میں صحابہ کرام کے ذوق و جذبہ کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ان کو خبر لگی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں قیام فرما رہے ہیں تو تعداد اتنی بڑھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کر دیا کہ مبادہ یہ نماز ان پر فرض ہو جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام اسی طرح تنہا تنہا پڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کے ذوق و جذبہ اور مسجد نبوی میں ان کی بڑھتی تعداد اور انتشار کو دیکھتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار اور ایک جماعت پر اکٹھا کرنا: صحیح بخاری وغیرہ کی مشہور روایت ہے جس کے اندر

ہے کہ عبد الرحمن بن عبد القاری کہتے ہیں کہ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلَةَ فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلُ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةَ أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِيهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعَمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا

الْخَطَابِ أَبِي بَنٍ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً قَالَ: وَقَدْ كَانَ الْقَارِءُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ، وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ"۔ سائب بن يزيد کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں، وہ کہتے ہیں کہ قاری سو یا اس سے زیادہ آیتوں والی سورتیں پڑھاتا یہاں تک کہ ہم لوگ لمبا قیام کی وجہ سے لاشیوں پر ٹیک لگاتے، اور فجر کی ابتداء میں ہی واپس ہوئے (موطا: 1/115 علامہ مبارکپوری نے تحتہ الاحوذی 3/528) اور علامہ البانی نے صلاة التراویح (ص 45) کے اندر اس کی سند صحیح قرار دیا ہے۔

سائب بن یزید کی ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے جیسا کہ حافظ بن حجر اور ابن نصر المرزوی نے روایت کیا ہے۔ (دیکھئے: مختصر قیام اللیل للمروزی ر 220، فتح الباری: 4/220)۔ لیکن یہ گیارہ رکعت والی روایت کے مخالف نہیں ہے۔ کہ بعض لوگ تہا دو رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

امام محمد بن نصر مروزی نے تمیم داری کی جگہ پر سلیمان بن ابی حثمہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح بعض روایتوں میں عثمان بن سلیمان بن ابی حثمہ سے مروی ہے کہ: "عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو گیارہ رکعتوں پر جمع کیا، چنانچہ سلیمان چار رکعتیں پڑھاتے"۔ (دیکھئے: التاریخ الکبیر ر 1772،

اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔

مسجد نبوی میں تراویح کی رکعات مختلف ادوار میں

ذیل میں ہم نہایت ہی اختصار کیساتھ بیان کریں گے کہ ابتداء اسلام سے لے بعد کی صدیوں میں حرمین خاص طور سے مسجد نبوی میں تراویح میں کتنی رکعتوں کا التزام کیا جاتا رہا ہے تاکہ اس پر اجماع اور تسلسل کے دعووں کی حقیقت واضح ہو سکے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ کے عہد اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں:

عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ نے تین دنوں تک ہی تراویح پڑھائی اور پھر نہیں پڑھایا پھر لوگ تہا تہا اور متفرق پڑھتے تھے اور ظاہری بات ہے کہ اتنی رکعتیں ہی پڑھتے تھے جتنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھا، بعض روایتوں میں میں کا ذکر ہے لیکن وہ حد درجہ ضعیف اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح ترین روایت کے خلاف ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں:

موطا کی صحیح روایت کے مطابق عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا تھا البتہ کچھ روایتیں جو بیس کی ملتی ہیں وہ سب کی سب اپنے ضعف اور انقطاع کی وجہ سے مرجوح ہیں۔ سائب بن یزید سے مروی ہے کہ: "أَمَرَ عُمَرُ بِنُ

تاریخ دمشق: (22/217)۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں:

اس سلسلے میں کوئی واضح روایت مجھے نہیں مل سکی البتہ ظاہر یہی ہے کہ عمر رضی اللہ کے زمانہ میں جو تھا وہی جاری رہا ہوگا۔

علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں:

علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں تعداد رکعت کے سلسلے میں کئی روایتیں ملتی ہیں جن میں بیس رکعتیں اور اسی طرح انتالیس رکعتیں وتر کے ساتھ کا ذکر ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے میں:

امام مالک کے زمانے میں مدینہ میں انتالیس رکعتیں مع الوتر کے پڑھی جاتی تھیں جن میں اڑتیس (38) رکعتیں تراویح کی اور پھر ایک رکعت وتر کی، یہاں تک روایت ہے کہ امام مالک نے اس سے کم کرنے کو منع کیا تھا۔ بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فی نفس الوقت مکہ میں بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔

بعد کے ادوار میں:

بعد کے ادوار میں تینتالیس (43) کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ تیسری صدی میں اکتالیس (41) مع الوتر تھا جیسا کہ امام ترمذی نے اسحاق بن راہویہ کا اختیار کردہ مسلک کے طور پر ذکر کیا ہے۔ (سنن الترمذی/806)۔

چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں بیس (20) رکعتیں۔

آٹھویں اور نویں صدی میں چھتیس (36) رکعتیں بیس (20) شروع رات میں اور باقی سولہ (16) رکعتیں

آخری حصے میں۔

دسویں صدی میں بھی چھتیس (36) رکعتیں اور پھر تین وتر۔

چودھویں صدی تک حال یہی رہا کہ بیس (20) عشاء کے بعد اور سولہ (16) آخر میں جسے ستہ عشریہ کہا جاتا تھا۔

جب حجاز پر سعودی حکومت قائم ہوئی اس وقت متعدد ائمہ مختلف جماعتوں کے ساتھ بیس پڑھتے تھے اور ان میں سے مالکیہ پھر آخری پہر میں آ کر سولہ (16) رکعتیں پڑھتے۔

پھر جب سعودی حکومت کو استقرار مل گیا تو تراویح کے ساتھ ساتھ پنجوقتہ نمازوں کو بھی ایک امام پر متحد کر دیا گیا اور ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی بنیاد پر بیس رکعتیں اور تین وتر پڑھی جانے لگیں البتہ آخری عشرے میں دس قیام اللیل اور تین وتر کے ساتھ پڑھی جاتیں، اس طرح پوری 36 رکعتیں پڑھی جاتیں۔ (التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی علیہ السلام بتالیف: شیخ عطیہ محمد سالم ر باختصار و تصرف بسیط)۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ بیس رکعتیں صرف حرمین شریفین میں پڑھائی جاتی ہیں، ان کے علاوہ مکہ اور مدینہ اور سعودی عرب کی دیگر تمام مساجد میں گیارہ رکعتیں ہی پڑھائی جاتی ہیں جن میں عشرہ اولیٰ میں چار عشاء کے بعد اور سات مع الوتر آخری پہر میں۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ بیس رکعات پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، کیونکہ لوگ مختلف عہد میں کبھی آٹھ، کبھی بیس

کبھی چھتیس، اور کبھی اکتالیس پڑھتے رہے ہیں۔

اسی طرح چودہ سو سالوں تک مسلسل حریم میں بیس رکعتوں کا دعویٰ نہ یہ کہ جھوٹ ہے بلکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کیا جاتا ہے، کہ کچھ لوگ حریم کے متواتر اور مستقل عمل کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

سعودی علماء کا رجحان:

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سعودی عرب کے اکثر بڑے علماء کا رجحان یہ ہے کہ چونکہ تراویح نقلی نماز ہے اس لئے اس کی رکعات میں گنجائش ہے کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے سوال کے جواب میں فرمایا: "صلاة اللیلِ مَثْنَى مَثْنَى، فإذا خشي أحدكم الصبح، صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلى" (صحیح بخاری، 3939، صحیح مسلم، 749)۔ "رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں، اگر تم میں سے کوئی صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے جو باقی نمازوں کو تروتر بنا دیگی۔"

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو آپ کا جواب تھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں رکعات کی عدم تحدید اور توسع ثابت ہے پھر انہوں نے صلاة اللیل ثنی ثنی والی روایت سے استدلال کیا ہے۔

اسی طرح دیگر علماء نے بھی اس کے اندر توسع کی بات لکھی ہے، علامہ ابن العثیمین رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے اندر وسعت ہے، اس کے اندر کوئی عدد واجب نہیں ہے نہ بیس نہ گیارہ نہ تیرہ اور نہ ہی اکتالیس رکعتیں بلکہ اس کے اندر وسعت ہے جو تیس

رکعتیں پڑھے اس پر نکیر نہیں کیا جائیگا، جو گیارہ پڑھے اس پر نکیر نہیں کیا جائے گا، جو تیرہ پڑھے اس پر نکیر نہیں کیا جائیگا، جو سترہ پڑھے اس پر نکیر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس پر نکیر کیا جائیگا جو اس سے زیادہ پڑھے"۔ (مجموع فتاویٰ و رسائل ابن العثیمین: 14/ 197)۔

واضح رہے کہ ابن العثیمین رحمہ اللہ کے نزدیک گیارہ یا تیرہ رکعتیں افضل اور راجح ہے (مجموع فتاویٰ و رسائل ابن العثیمین: 14/ 192)، اس کے باوجود انہوں نے اس کے اندر وسعت کو بیان کیا ہے۔

لہذا اگر حریم میں گیارہ سے زیادہ پڑھی جاتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے بیس رکعتیں پڑھنے کو متعین اور محدود مانا جاسکتا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ہر دور میں جس مکتبہ فکر کا غلبہ رہا وہ اپنے اعتبار سے تراویح کے اندر عدد، کیفیت، وقت، اور قراءت وغیرہ میں تبدیلی کرتے رہے۔

کیا حریم کے اعمال دلیل شرعی ہیں؟: ہمارے لئے دلیل کتاب و سنت ہے کسی دور کا کوئی عمل اس وقت قابل عمل و قبول ہے جب اس کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہو، چنانچہ سادہ الفاظ میں کہیں تو جب کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو کتاب و سنت اور صحابہ کے تعامل کی طرف ہی رجوع کیا جائیگا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فإنه من يعش منكم بعدى فسیری اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها، وعصوا عليها بالنواحيذ، وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل

تعب کی بات ہے کہ یہ حریم میں تراویح کو دلیل ماننے والے غیر رمضان میں حریم کے ائمہ کے عمل کو دلیل جاننا تو درکنار انہیں مسلمان بھی ماننا گوارا نہیں کرتے بلکہ سرعام فتویٰ دیتے ہیں کہ ان کے پیچھے سرے سے نماز ہی جائز نہیں، آخر یہ کیسی روش ہے کہ رمضان میں ایک عمل جو سنت ہے اس میں ان ائمہ کا عمل دلیل و حجت قرار پائے اور غیر رمضان میں سنت تو درکنار ان کی طرف سے فرض نماز کی بھی کوئی حیثیت نہ رہے اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی ناجائز ٹھہرے۔

حریم میں پورے ماہ صرف بیس رکعات ہی نہیں پڑھی جاتی بلکہ آخری عشرہ میں مزید رکعات کا اضافہ بھی ہوتا ہے جب کہ احناف اسے دلیل نہیں بناتے۔

حریم میں اور بہت سے اعمال ہوتے ہیں لیکن احناف انہیں دلیل نہیں جانتے بلکہ حریم کی عین تراویح میں ہی احناف صرف اس کی رکعات کے لئے ان کا حوالہ دیتے ہیں لیکن حریم کی تراویح میں جو رکعات کے علاوہ دیگر اوصاف ہیں ان کو یہ حضرات دلیل نہیں بناتے، مثلاً: حریم کی تراویح میں رفع الیدین، آمین بالجہر وغیرہ کا عمل۔ سوال یہ ہے کہ اگر رکعات کی تعداد حریم کی تراویح کا حصہ ہیں تو کیا یہ اوصاف حریم کی تراویح کا حصہ نہیں ہیں؟

حریم میں اور بھی بہت سے اعمال ہیں جو احناف کے خلاف ہیں لیکن احناف کبھی بھی اپنے خلاف حریم کے ان اعمال کو دلیل نہیں شمار کرتے، آمین بالجہر سے لے کر رفع الیدین اور ان جیسے بیسیوں مسائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔

مسلمک کے نام پر بیجا واویلا:

محدثہ بدعہ، وکل بدعہ ضلالہ"۔ (رواہ أبو داؤد، 4607، الترمذی، 2676، ابن ماجہ، 44، احمد: 4/126، الدارمی، 96۔ وصحہ الإمام الألبانی فی صحیح سنن أبی داؤد، 4607)۔ "میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ بعض حضرات رمضان میں حریم کے ائمہ اور وہاں کے عمل کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اسے مسلمہ دلیل کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں، جبکہ دلائل شرعیہ معروف ہیں خود ان کے یہاں دلائل کی صرف چار قسمیں ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

لہذا حریم کے کسی عمل کو دلیل شرعی ماننا دلائل شرعیہ میں مزید ایک دلیل کا اضافہ ہے۔

کتاب و سنت میں کہیں بھی اس بات کی ضمانت نہیں دی گئی ہے کہ حریم میں جو عمل بھی ہوگا وہ حجت و دلیل قرار پائے گا، بلکہ ایک وقت تھا کہ خود خانہ کعبہ میں بتوں کی پوجا ہوتی تھی، لیکن یہ قطعاً اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ بتوں کی پوجا بھی جائز ہے۔ ماضی میں ایک ایسا دور بھی گزرا ہے کہ حرم میں چار مصلوں کی بدعت رائج تھی، اسے بھی حرم کی وجہ سے سندنہل سکی بلکہ ایک وقت آیا کہ اس بدعت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا اللہ الحمد۔

مسئلہ بنا رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کہیں ایسا عمل دیکھتے ہیں جو ان کے موقف کے خلاف ہے تو بیجا تاویل اور بے وجہ کا واویلا کرنے لگتے ہیں، اور یہ واویلا صرف رکعات تراویح کے سلسلے میں نہیں ہے، بلکہ ہر وہ عمل جو ان کے موقف کے خلاف ہو اس پر چیخ دم دھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔ جب کوویڈ 19 نے پوری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیا عام معاشرتی زندگی کے ساتھ ساتھ عبادات و معاملات پر بھی اس کا بہت زیادہ اثر دیکھنے کو ملا، نماز، جماعت، مسجد، عیدین یہاں تک کہ صدقات و خیرات کی ادائیگی پر بھی اس کا بہت زیادہ اثر دیکھنے کو ملا، چنانچہ کورونا جیسی وبائی بیماری سے بچاؤ کے لئے اس سال کے ماہ رمضان میں مسجد نبوی و مسجد حرام کے متعلق چند تبدیلیاں کی گئیں جن میں تراویح کی رکعتوں میں تخفیف تھی جو سعودی حکومت کی گائیڈ لائن کے مطابق کچھ اس طرح تھی: دس رکعت نماز تراویح اور تین رکعت وتر ادا کئے جائیں گے، پہلے امام تراویح کی چھ رکعت اور دوسرے امام چار رکعت اور تین وتر ادا کریں گے، وتر کی تیسری رکعت میں قنوت یعنی دعاء مختصر ہوگی۔ البتہ رمضان کے آخری عشرہ یعنی اکیسویں شب سے آدھی رات کے بعد تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ اور ختم قرآن تراویح اور تہجد میں ملا کر اثنیسویں شب کی نماز تہجد میں ہوگا۔

ایسے موقع سے فکری جمود کے شکار لوگوں کے پیٹ میں درد ہونا لازمی تھا، کیونکہ حریم کی بیس رکعتوں والی ایک ٹوٹی پھوٹی دلیل بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ ان کا واویلا بھی فطری تھا، کیونکہ بزعم خویش بس یہی صحیح ہیں باقی سب گمراہ، انہیں پتہ ہونا چاہئے کہ جب فرض نمازوں میں

فکری غلو اور تقلیدی تجدد ہر دور اور ہر مذہب میں ایک خطرناک اور متعدی بیماری رہا ہے، جس کا اثر ہر دور میں دیکھنے کو ملے گا، یہی وجہ ہے کہ جب جب انبیاء کرام اور مصلحین کسی قوم کو صحیح دعوت دیتے نہ یہ کہ ان کی مخالفت کی جاتی بلکہ بسا اوقات ان کو ہر طرح سے زد و کوب کیا جاتا۔ اسلام میں فرقوں نے جنم لیا تو تقلیدی تجدد کی وجہ سے اتباع سنت کا جذبہ کمزور ہوتا چلا گیا جس کی وجہ سے فرق در فرق اور گروہ در گروہ افکار نے متضاد اور متنوع رنگ اختیار کرنا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، گزرتے وقت کے ساتھ نہ کہ ان فرقوں کے عقائد عوام میں راسخ ہوتے چلے گئے بلکہ نئے نئے فرقے اب بھی وجود میں آ رہے ہیں، اور جب بھی لوگوں کو عقائد صحیحہ اور اور سنت ثابتہ کی دعوت دی جاتی ہے، پر زور طریقے سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہی نہیں ایسی صورت میں غیر مقلدیت اور کفر و زندقہ تک کے الزامات سے واسطہ پڑتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی فقہی مسئلہ میں ہلکا سا اختلاف شروع ہوتا ہے، اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ وہ اختلاف بھیانک صورت اختیار کر لیتا ہے، اگر اسے سمجھنا ہو تو آئین بالجہ رفع الیدین، طلاق ثلاثہ اور قرءۃ الفاتحہ جیسے مسائل کو دیکھ لیں جن کی وجہ سے مسجدوں سے نکالا جانا، انہیں دھلوانا، ان کی وجہ سے زد و کوب کیا جانا اور شادی بیاہ میں بیجا پریشانیوں کا سامنا کرنا وغیرہ جیسے واقعات ہو چکے ہیں اور بعض مقامات پر اب بھی ہو رہے ہیں یہاں تک کہ ان کی وجہ سے قتل و خونریزی جیسے واقعات بھی ہو چکے ہیں۔ تراویح کی رکعتوں کا مسئلہ بھی کچھ کم اختلاف کا شکار نہیں ہوا ہے، لوگوں نے اسے اپنی انا کا

اگلے سال تک آٹھ اور بیس کا جھگڑا دیکھنے کو نہ ملے اور اگر ملے گا بھی تو اس میں کم از کم اسی فیصد کی کمی آچکی ہوگی۔
اللہ رب العزت ہمیں صحیح دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے اختلاف و انتشار سے ہماری حفاظت فرمائے و صلی اللہ علی خیر خلقہ وسلم۔

حالات و ظروف مثلاً سفر اور حالت جہاد میں تخفیف کی جاسکتی ہے تو بقاء کی نوعیت اور اس کی خطرناکی کے مد نظر تراویح جیسی نقلی نماز میں تخفیف کیوں نہیں کی جاسکتی، خاص طور سے جبکہ رات کی نماز سے متعلق ایسی روایتیں موجود ہوں جن میں عدد کا اعتبار نہ کیا گیا ہو۔
آخری بات:

☆☆☆

جنتی شخص

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسے عمل کی طرف میری رہنمائی فرمائیں جب میں وہ کروں تو جنت میں چلا جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا، نماز قائم کر، فرض زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ۔ اس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس پر کوئی اضافہ نہیں کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جسے کوئی جنتی دیکھنا پسند ہو تو وہ اس کو دیکھ لے۔

(متفق علیہ)

تراویح اٹھ مع وتر گیارہ ہی سنت ہے البتہ اگر کوئی نفل سمجھ کر اس سے زیادہ بیس، چھتیس، انتالیس یا اکتالیس پڑھتا ہے تو ائمہ کرام کے رجحان کے مطابق ہے جو نوافل میں عدد کا اعتبار نہیں کرتے تھے، لیکن یہ خیال رہے کہ عدد کی زیادتی کے ساتھ نماز کا مقصد اللہ کے لئے نوافل میں اضافہ کرنا ہے نہ کہ موجودہ دور میں برصغیر میں جس انداز میں صرف سعی تراویح کی ادائیگی ہوتی ہے۔

روایتوں میں اسلاف کے آٹھ سے زیادہ ادا کرنے کی جو بات آئی ہے ان میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ بسا اوقات نماز میں تخفیف ہو جاتی تھی تو وہ اور زیادہ پڑھتے تھے تاکہ رات کا زیادہ سے زیادہ حصہ وہ نوافل میں گزار سکیں۔
ہم یہاں یہ کہنا بر محل سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اپنا پورا زور بیس رکعات کے اثبات پر لگاتے ہیں، اس کا دسواں حصہ بھی لوگوں کو کتاب و سنت کے مطابق اس عظیم عبادت کی ادائیگی کی تعلیم پر لگائیں تو شاید آٹھ اور بیس کی بحث صرف اہل علم تک رہ جائے۔

آپ صرف ایک سال تراویح کو رسم سے نکال کر خشوع و خضوع والی عبادت کی طرح ادا کرنے کے لئے ساری مساجد میں عوام اور ائمہ کو مکلف کر کے دیکھیں، شاید

زکوٰۃ: اہمیت و فوائد اور چند مسائل

محمد ایوب سلفی

الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ. (سورۃ انبیاء: ۷۳) اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ نیکیوں کے کرنے کا، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا. (سورۃ مریم: ۵۵) وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

بنی اسرائیل کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا ان میں یہ حکم بھی تھا۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ. (البقرۃ: ۴۳) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

زکوٰۃ کی اہمیت و فضیلت کے سلسلے میں قرآن و سنت میں بہت سارے نصوص وارد ہیں۔ زکوٰۃ نہ دینے پر وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ زکوٰۃ کی اہمیت و فضیلت اور اس کی عدم ادائیگی پر وعیدوں کے سلسلے میں وارد نصوص شرعیہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم یہاں زکوٰۃ کے کچھ اہم مسائل اور اس کے فوائد پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے، یہ ایک بڑا اسلامی فریضہ ہے، قرآن و سنت کے اندر اس کی ادائیگی کی بڑی تاکید وارد ہے اور اس کے فوائد، مصالح، ادائیگی کی حکمتوں اور معاشرے کے فقراء و مساکین اور نادار افراد کی معاشی و مالی کفالت میں اس کے اہم کردار کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (سورۃ توبہ: ۱۰۳) اے پیغمبر ﷺ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر اس کے ذریعہ سے اس کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کر دیں اور آپ ان کے لیے رحمت کی دعا فرمادیں۔ بے شک آپ کا دعا فرمانا ان کے لیے باعث تسکین ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو سننے اور جاننے والا ہے۔

نماز اور روزوں کی طرح پچھلی شریعتوں میں زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا تھا۔ قرآن کریم کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام، ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ

يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ. (الروم: ۳۹) اور جو تم سود پر دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھے تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو جس سے تمہارا مقصد اللہ کی رضا ہو تو یہی وہ لوگ ہیں جو اپنا مال اور ثواب دو چند کر لیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَنَابِلَةٍ مِئَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ. (البقرة: ۲۶۱) ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی سی ہے جو سات بالیاں اگاتا ہے اور ہر بالی میں سو دانے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے۔

قرآن کریم کی ان آیات کے اندر انفاق فی سبیل اللہ یعنی زکوٰۃ و صدقات کو مال میں اضافہ کا سبب بتایا گیا ہے۔ اس اضافہ سے ظاہری و حقیقی اضافہ اور معنوی اضافہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور اخروی اجر و ثواب تو متحقق ہے ہی بشرطیکہ اس کی ادائیگی اخلاص نیت اور رضائے الہی کے حصول کے لیے ہو۔ بہت ساری حدیثوں کے اندر بھی انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے: قَالَ اللَّهُ أَنْفَقَ أَنْفَقَ عَلَيْكَ. (البخاری، التوحید: ۷۴۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو میرے ضرور تمندوں پر خرچ کر خزانہ غیب

خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ. (المائدہ: ۱۲) اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی مدد کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتے رہے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے مٹا دوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

اس آیت کریمہ کے اندر نماز، زکوٰۃ، رسولوں پر ایمان لانے اور رسول کی مدد کرنے کے فوائد کو اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ان اعمال حسنہ سے انسانوں کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کی بدولت اپنے بندوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ زکوٰۃ کا معنی ہی نمو، بڑھوتری اور اضافہ کا ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی پاک و صاف ہونے کا بھی ہے۔ گویا زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے، مال بابرکت بن جاتا ہے اور اس سے تزکیہ و تطہیر کا عمل بھی وجود پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ. (البقرة: ۲۷۶) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات و خیرات کو بڑھاتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبًّا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا

سے میں تم کو دیتا رہوں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان يقول أحدهما اللهم أعط منفقا خلفا، ويقول الآخر اللهم أعط ممسكا تلفا. (البخاری: ۱۴۴۲) ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما، جبکہ دوسرا کہتا ہے اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کا مال تلف کر دے۔ اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ. (سبا: ۳۹) تم جو کچھ بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے اللہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

زکوٰۃ دراصل زکوٰۃ دینے والے کے مال میں خیر و برکت کا سبب ہے اور یہ ایک عظیم عبادت ہے، اس کو انجام دینے سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں فقراء و مساکین، یتامی و بیوگان اور معذور و نادار اور گرے پڑے افراد کے معاشی مفادات بھی زکوٰۃ ہی سے وابستہ ہیں۔ ایک اسلامی معاشرہ سے غربت و ناداری اور گداگری کے خاتمہ کی یہ سب سے بہتر تدبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر انسانوں کو مختلف طبقات اور درجات میں بانٹا ہے تاکہ دنیا کا کاروبار اچھے ڈھنگ سے چل سکے۔ ایک امیر جسے اللہ تعالیٰ نے مال و منال سے نوازا ہے اور اس پر زکوٰۃ

و صدقات کو فرض قرار دیا تاکہ اس سے معاشرہ کے کمزور لوگوں کی کفالت ہو سکے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس مالدار کے حرص و بخل کو بھی دور کرنا چاہتا ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندے کے اندر بہت زیادہ مال جمع کرنے کا جذبہ فروغ نہ پاسکے اس لیے کتاب و سنت کے اندر فرض زکوٰۃ کے احکام و مسائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ عمل کی ترغیب ہو۔ نفلی صدقات و خیرات کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے جہاں زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب ہے وہیں بغیر ضرورت کے سوال کرنے پر سخت وعید بھی سنائی گئی ہے تاکہ معاشرہ میں گداگری کو تقویت نہ مل سکے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اليد العليا خير من اليد السفلى، واليد العليا المنفقة، السفلى السائلة. (صحیح مسلم: ۱۰۳۳) اونچا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اونچا ہاتھ خرچ کرنے والا ہاتھ ہے اور نچلا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ ہے۔

بغیر ضرورت سوال کرنے پر اللہ کے رسول ﷺ نے یہ وعید بھی بیان کی ہے: ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس في وجهه مزعة لحم. (صحیح مسلم: ۱۰۴۰) آدمی لوگوں سے بلا ضرورت سوال کرتے رہتا ہے حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہیں ہوگا۔

ایک اور حدیث کے اندر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من سأل الناس أموالهم تكثرا فإنما يسأل

زرعی پیداوار کا نصاب:

زرعی پیداوار کے نصاب کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کی مشہور حدیث وارد ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لیس فیما أقل من خمسة أوسق صدقة، ولا في أقل من خمسة من الإبل الذود صدقة، ولا أقل من خمس أواق من الورق صدقة. (البخاری، الزکاة: ۱۴۸۴) زمینی پیداوار میں پانچ و سق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیے چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: لیس فی حب ولا تمر صدقة حتى يبلغ خمسة أوسق. (مسلم، الزکاة: ۹۷۹) کسی دانے اور کھجور میں زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ وہ پانچ و سق تک پہنچ جائے۔

زمینی پیداوار میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے علماء دو شرطیں ضروری قرار دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ناپی تولی والی چیز ہو، دوسری یہ کہ وہ بطور خوراک ذخیرہ کی جاتی ہو جیسے ہمارے ہندوستان میں پیدا ہونے والے اجناس گندم، جو، چنا، چاول، مکئی، مسور، ارہر اور جوار باجرہ وغیرہ۔

کھیتی سے پیدا ہونے والے اناج اور پھل وغیرہ میں کتنے میں کتنا زکوٰۃ واجب ہے اس سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کو سمجھنا چاہیے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریا العشر، وما سقی من النضح نصف

جمرا فلیستقل أو لیستکثر. (صحیح مسلم: ۱۰۴۱) جو لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال کرتا ہے ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنا مال بڑھانے کے لیے وہ جہنم کے انگارے کا سوال کرتا ہے، اب وہ چاہے زیادہ کر لے یا کم۔

مذکورہ روایتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام کی نظر میں بلا ضرورت سوال کرنا، مانگنا اور دریوزہ گری کرنا قطعی درست نہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے مال پر قناعت کرے اور جائز طریقے سے کما کر اپنے مال کو بڑھانے کی کوشش کرے۔ یہی انسانیت کا معراج ہے، اسی میں کمال انسانیت ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لیے صاحب نصاب ہونا:

احادیث نبویہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زکوٰۃ صرف صاحب نصاب پر ہے یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے جتنا مال درکار ہے اگر اتنا مال کسی مومن کے پاس ہے اور اس پر سال بھی گزر گیا ہے تب اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور کھیتی سے نکلنے والی پیداوار کی زکوٰۃ کھیتی تیار ہونے کے وقت ہے۔

زکوٰۃ چار قسم کے اموال پر واجب ہے۔

- ۱- زرعی پیداوار جیسے غلے، اناج اور پھل فروٹ
- ۲- مویشی جانور جو باہر جنگل میں چرتے ہیں جیسے گائے، بکری، اونٹ وغیرہ
- ۳- سونا چاندی اور نقدی
- ۴- سامان تجارت

سونے سے زکوٰۃ دینے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ پچاسی گرام سونا (ساڑھے سات تولہ) کی مارکیٹ میں قیمت معلوم کر لی جائے۔ اس اعتبار سے جتنا سونا ہو اس قیمت میں سے ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ کی رقم نکال دی جائے۔

چاندی کا نصاب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (سنن أبي داود: ۱۵۷۳) جب تمہارے پاس دوسو درہم ہو جائیں اور ان پر سال بھی گزر جائے تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ليس فيما دون خمس أواق صدقة. (البخاري: ۱۴۰۵) پانچ اوقیے سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، گویا پانچ اوقیے دو سو درہم ہوئے۔ چاندی کا نصاب دوسو درہم ثابت ہوا۔ اس کا وزن ساڑھے باون تولہ بنتا ہے جس کا گرام میں تقریبی وزن ۶۱۸ گرام ہے۔ اگر کسی کے پاس اتنا وزن کے برابر چاندی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ڈھائی فیصد کے حساب سے اس کو زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔

چاندی کی زکوٰۃ دینے کا بھی آسان طریقہ یہی ہے کہ مارکیٹ میں اتنی چاندی کی قیمت معلوم کر لی جائے اور جتنی رقم بنتی ہے اس میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالی

العشر. (البخاری: ۱۴۸۳) اس پیداوار میں جسے آسمان یعنی بارش یا قدرتی چشمے سیراب کریں یا وہ زمین نمی والی ہو (یعنی اس میں پانی ڈالنے کی ضرورت نہ ہو) عشر (دسواں حصہ) اور جسے ڈول یا رہٹ اور مشین وغیرہ سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) یعنی ۵% ہے۔

وق ایک عربی پیمانہ ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ کلوگرام میں اس کا تقریبی وزن اٹھارہ من اور بعض علماء میں من قرار دیتے ہیں لہذا اگر کسی کے کھیت میں اتنا غلہ پیدا ہو تو اس پر کھیتی کاٹے اور غلہ تیار ہو جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔

سونے کا نصاب:

سونے کے نصاب کے سلسلے میں جو مخصوص حدیث ہے وہ درج ذیل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون دينارا فإذا كانت لك عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار. (سنن أبي داود: ۱۵۷۳) اور سونے میں تجھ پر کچھ نہیں جب تک کہ وہ بیس دینار ہو جائے، پس جب وہ بیس دینا ہو جائے تو اس پر نصف دینار زکوٰۃ ہے۔ (یہ روایت شواہد کی بنیاد پر حسن ہے لہذا سونے کے نصاب کے سلسلے میں یہی روایت صحیح بنیاد ہے) بیس دینار کا گرام میں تقریبی وزن ۸۵ گرام بنتا ہے، اس میں چالیسواں حصہ (ربع العشر) زکوٰۃ ہے۔

سال میں ایک بار پورے تجارتی سامان کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے جتنی پونجی بنتی ہے چاندی کے اعتبار سے اس کے نصاب کا اندازہ لگایا جائے۔ اگر اموال تجارت نصاب کو پہنچے ہوئے ہیں تو سال میں ایک بار ان کی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے۔ اگر تجارت میں دوسری کی پونجی ادھار کے طور پر لگی ہو تو اس کو الگ کر لیا جائے اس لیے کہ وہ قرض ہے اور قرض کی رقم اپنی پونجی نہیں ہوتی۔

جانوروں کا نصاب:

باہر (جنگل میں) چرنے والے جانوروں پر بھی زکوٰۃ ہے۔ پانچ اونٹ، چالیس بکریاں یا بھیڑ اور تیس گایوں یا بھینسوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ مویشیوں کی زکوٰۃ کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ چونکہ ہمارے ملک میں مویشی پالنے کا رواج بہت کم ہے لہذا مویشیوں کی زکوٰۃ دینے کا موقع بھی کم ہی آتا ہے لہذا بخوف طوالت ہم مویشیوں کے نصاب کی تفصیل بیان کرنے سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

مصارف زکوٰۃ:

مسائل زکوٰۃ میں مصارف زکوٰۃ کا بیان بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مستحقین زکوٰۃ کون کون سے لوگ ہیں ان کی معرفت بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں نص قاطع کے طور پر یہ آیت کریمہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ

جائے۔ واضح ہے کہ سونے چاندی چاہے کسی بھی شکل میں ہوں اگر وہ نصاب کو پہنچ جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

روپے پیسے کا نصاب:

واضح ہو کہ نقدی اور روپے پیسے میں علماء نے چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا ہے۔ یعنی کسی کے پاس دو سو درہم چاندی کی قیمت کے برابر نقدی ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو تو زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے واجب ہے۔ نقدی گھر میں ہو یا بینک میں ہر صورت میں زکوٰۃ واجب ہے۔

اموال تجارت کی زکوٰۃ:

سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے: اِن رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نَخْرَجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نَعْدُ لِلْبَيْعِ. (سنن أبي داود: ۱۵۶۲) اللہ کے رسول ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم ہر اس مال میں سے زکوٰۃ نکالیں جو ہم تجارت کے لیے تیار کرتے ہیں۔

یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن علماء کی اکثریت نے سامان تجارت کو اموال میں شمار کر کے اس میں زکوٰۃ دینے کی بات کہی ہے اور یہی مسلک رائج ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ اور ساری امت کا (سوائے چند شاذ لوگوں کے) اس بات پر اتفاق ہے کہ سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(دیکھئے: القواعد النورانية للفتاویٰ: ۸۹، ۹۰)

اموال تجارت میں ادائیگی زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے کہ

حدیث میں گویا اصل مسکین شخص مذکور کو بیان کیا گیا ہے ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مسکین کی تعریف یہ منقول ہے کہ جو گداگر ہو، گھوم پھر کر اور لوگوں کے پیچھے پڑ کر مانگتا ہو اور فقیر وہ ہے جو نادار ہونے کے باوجود سوال سے بچے اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ (ابن کثیر) (احسن البیان، ص: ۵۲۹)

عالمین علیہا: عالمین سے مراد حکومت کے وہ اہل کار ہیں جو زکوٰۃ و صدقات کی وصولی و تقسیم، اس کی حفاظت اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں۔ اس میں مسلمانوں کے اداروں کی طرف سے زکوٰۃ کی وصولی پر متعین افراد بھی شامل ہیں۔ زکوٰۃ کی رقم سے ان کی اجرت دی جاسکتی ہے۔

مولفۃ القلوب: اس سے مراد وہ کافر ہے جو اسلام کی طرف کچھ کچھ مائل ہو رہا ہو اور اس کی امداد کرنے پر یہ امید ہو کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائے گا، دوسرے وہ نو مسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو، تیسرے وہ افراد بھی ہیں جن کی امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقہ کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے اور اس طرح وہ قریب کے کمزور مسلمانوں کا تحفظ کریں گے۔

(دیکھئے: احسن البیان: ۵۲۹)

گردن آزاد کرنا: گردن آزاد کرانے سے مراد غلاموں کو آزاد کرانا ہے۔ دور حاضر میں انٹرنیشنل قانون کے تحت دنیا سے غلامی کو ختم کر دیا گیا ہے لہذا اس دور میں

عَلَيْمٌ حَكِيمٌ. (سورۃ توبہ: ۶۰) زکوٰۃ کے مستحق صرف فقراء، مساکین، عالمین زکوٰۃ اور مولفۃ القلوب ہیں نیز گردنوں کے چھڑانے میں، قرضداروں کی مدد کرنے میں، اللہ کی راہ میں اور مسافرنوازی میں بھی خرچ ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

ذیل میں اس آیت کریمہ کی قدرے وضاحت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

فقراء و مساکین: فقراء و مساکین کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: فقراء اور مساکین چونکہ قریب قریب ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی ہوتا ہے یعنی فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ لیا جاتا ہے اس لیے ان کی الگ الگ تعریف میں خاصا اختلاف ہے تاہم دونوں کے مفہوم میں یہ بات تو قطعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم اور وسائل سے محروم ہوں ان کو فقیر و مسکین کہا جاتا ہے۔ مسکین کی تعریف میں ایک حدیث آتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسکین وہ گھومنے پھرنے والا نہیں ہے جو ایک ایک یا دو دو لقمے یا کھجور کے لیے دردر پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے، نہ وہ ایسی مسکنت اپنے اوپر طاری رکھے کہ لوگ غریب اور مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ (صحیح بخاری و مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

بھیجا جاتا ہے، یہ مدارس دو اعتبار سے زکوٰۃ کی رقم کے مستحق ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہاں فقراء و مساکین کے بچے تعلیم پاتے ہیں اور وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، دوسرے وہ فی سبیل اللہ کے مدرسے بھی آتے ہیں، اس لیے کہ یہاں دعا و مبلغین اور مصلحین کی ٹیم تیار کی جاتی ہے۔

مسافر: یعنی کوئی سفر میں ہے اور کسی وجہ سے وہ امداد کا مستحق ہو گیا چاہے وہ اپنے گھر میں صاحب حیثیت ہی کیوں نہ ہو تب بھی زکوٰۃ کی مدد سے اس کی مدد کی جائے گی۔

صدقۃ الفطر: رمضان کے اختتام کے بعد عید کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کئے جانے والے صدقہ کو صدقۃ الفطر کہا جاتا ہے۔ حدیث میں وارد ہے: فرض رسول اللہ ﷺ صدقۃ الفطر صاعاً من تمر أو صاعاً من شعیر علی العبد والحر والذکر والأنثی والصغیر والکبیر من المسلمین وأمر بها أن تؤدی قبل خروج الناس إلی الصلاة. (البخاری: ۱۵۰۳) رسول اللہ ﷺ نے آزاد، غلام، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے مسلمان پر ایک صاع کھجور یا جو بطور صدقۃ الفطر ادا کرنا فرض کیا ہے اور اسے لوگوں کے نماز کے لیے نکلنے سے قبل ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور ایک روایت کے اندر صدقۃ الفطر کی فرضیت کے مقصد کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ فرض رسول اللہ ﷺ زکاة الفطر طہرة للصیام من اللغو الرفث وطعمة للمساکین. (أبو داود، الزکاة:

غلام کو خرید کر آزاد کرانے کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے البتہ اس سے ملتی جلتی کوئی صورت پیدا ہو تو اس میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے جیسے کوئی مسلمان دشمن کے یہاں گرفتار ہو جائے یا ظلماً کسی مسلمان کو قید میں ڈال دیا گیا ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ کے ذریعہ امداد کی جاسکتی ہے۔

غارمین: اس سے مراد ایک تو وہ مقروض افراد ہیں جو اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ و ضروریات پوری کرنے میں قرضدار ہو گئے ہوں، نہ ان کے پاس نقد رقم ہے نہ کوئی اثاثہ ہے جسے بیچ کر وہ قرض ادا کر سکتے ہوں، دوسرے وہ ذمہ دار اصحاب ضمانت ہیں جنہیں کسی کو ضمانت دینے کی وجہ سے کچھ رقم دینی پڑ جائے یا کسی کی فصل تباہ ہوگئی ہو یا کاروبار میں خسارہ ہو گیا ہو جس کی وجہ سے وہ مقروض ہو گیا ہو ایسے تمام افراد کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ: اس سے مراد جہاد ہے۔ یعنی جنگی سامانوں و ضروریات اور مجاہد پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ بعض علماء کے نزدیک دعوت و تبلیغ بھی ”سبیل اللہ“ میں داخل ہے۔ اس لیے کہ اس کا بھی مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہی ہے بلکہ دور حاضر میں شرعی جہاد نہ ہونے کی وجہ سے دعوت و تبلیغ ہی اشاعت اسلام کا واحد ذریعہ ہے۔

مدارس اسلامیہ بھی زکوٰۃ کے مستحق ہیں:

دینی جامعات و مدارس جہاں فقراء و مساکین کے بچوں کی دینی تربیت ہوتی ہے انہیں اسلام سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے، انہیں داعی الی اللہ بنا کر اشاعت اسلام کے لیے

استعمال کیا جاتا ہے۔

صدقۃ الفطر کے اصل مستحق غرباء و مساکین ہیں اس لیے مقامی فقراء و مساکین کو یہ صدقہ دینا چاہیے۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وکان من ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

تخصیص المساکین بہذہ الصدقۃ ولم یکن یقسمہا علی الأصناف الثمانیۃ قبضۃ قبضۃ ولا أمر بذلك ولا فعلہ أحد من الصحابۃ ولا من بعدهم. (زاد المعاد: ۱ / ۱۵۱) صدقۃ الفطر کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ نے اسے صرف مساکین کے ساتھ ہی خاص رکھا اور قرآن میں مذکور آٹھ قسموں پر اسے مٹھی مٹھی بھر تقسیم نہیں کیا اور نہ ہی اس کا حکم ہی دیا اور نہ آپ کے بعد صحابہ و تابعین نے ایسا کیا۔

زکوٰۃ و صدقۃ الفطر کے یہ اہم مسائل ہیں جنہیں ہدیہ قارئین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی میں معاشرہ کے اندر بہت ساری بے اعتدالیوں پائی جاتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اس اہم عبادت کو سمجھیں اور اسے صحیح ڈھنگ سے ادا کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری زکوٰۃ و صدقات مقبول ہوں اور ہم مستحق اجر بن سکیں۔ اللہ ہمیں صحیح شعور عطا فرمائے، ہمارے صیام و قیام، صدقات و خیرات اور حسنات کو قبول فرمائے۔ آمین

☆☆

۱۶۰۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر فرض کیا جس کا ایک مقصد روزے دار کے روزے کو بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی سے پاک کرنا ہے اور دوسرا مقصد غرباء و مساکین کی خوراک کا انتظام کرنا ہے۔

صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لیے صاحب نصاب ہونا شرط نہیں ہے بلکہ یہ ہر امیر و غریب، چھوٹے بڑے مرد عورت پر فرض ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روزوں کی تطہیر کا سبب قرار دیا ہے اور روزوں کی تطہیر امیر و غریب دونوں کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ میں اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جن سے امیر و غریب کے درمیان اس مسئلہ میں فرق کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ صدقۃ الفطر کی ادائیگی عید کے نکلنے سے قبل ضروری ہے تاکہ مستحقین تک یہ صدقہ پہنچ جائے اور وہ عید کی خوشی میں شریک ہو سکیں، ان کے بچے اور اہل و عیال کو تنگی کا احساس نہ ہو۔ غلے اکٹھا کر کے رکھ لینا اور عید کے بعد انہیں فروخت کرنا اور پیسے اکٹھے کر کے رکھ لینا یہ قطعاً درست نہیں ہے بلکہ یہ عمل فرضیت صدقہ کے مقصد کے خلاف ہے۔

صدقۃ فطر کی مقدار ایک صاع ہے۔ کلوگرام میں اس کا تقریبی وزن ڈھائی کلو ہے۔ یہ مقدار عام خوراک جیسے گیہوں، چاول وغیرہ سے ادا کی جائے گی۔ اگر کسی کے پاس غلہ نہ ہو یا مستحق غلہ کے بجائے دیگر ضروریات کا حاجت مند ہو تو دونوں صورتوں میں غلے کی بجائے اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے، اسی غلہ کا اعتبار کیا جائے گا جو

ماہ رمضان کے روزے فوائد و حکمتیں

ابوصالح دل محمد سلفی

تکلیف اٹھانے، مالی خسارہ سے دوچار ہونے اور بھوک پیاس وغیرہ برداشت کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ روزہ کے تعلق سے دشمنان اسلام کا یہ نظریہ درحقیقت ان کی کوتاہ بینی و تنگ نظری، جہالت و ناواقفیت اور عداوت و نفرت پر مبنی ہے، حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت و صداقت تو یہ ہے کہ دین اسلام کی دیگر عبادتوں کی طرح روزہ کی مشروعیت میں بھی اسرار و حکم اور فوائد و مقاصد پنہاں ہیں۔ فرضیت صوم کے اس شرعی حکم کے پس پردہ روحانی و جسمانی، طبی و سائنسی اور اخلاقی و معاشرتی وغیرہ بہت سے متعدد و متنوع فوائد و مصالح مضمحل ہیں، جن کے مثبت اثرات روزہ داروں کی زندگی پر یقیناً پڑتے ہیں، ان ہی میں چند رموز ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں۔ و ما توفیقی الا باللہ

تقویٰ: اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب تقویٰ کہلاتا ہے، تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی پابندی کی جائے اور ممنوعات و محرّمات سے دوری و بعد اختیار کیا جائے، بنی نوع انسان کو ضلالت و گمراہی اور معصیت و نافرمانی سے بچانے اور اعمال صالحہ و نیک کاموں پر آمادہ کرنے میں تقویٰ کا کردار انتہائی اہم اور بنیادی ہوتا ہے، تقویٰ ایک ایسی مفید صفت حسنہ ہے کہ اس کے ذریعہ

اسلامی شریعت کی اصطلاح میں مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص ایام میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے و جماع کرنے، فسق و فجور، فواحش و منکرات اور لغویات کے ارتکاب سے رکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ ماہ رمضان کے روزے دین اسلام کی ان پانچ بنیادوں میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ ماہ رمضان کے روزے کی مشروعیت و فرضیت پر اور اس کے منکر کے کافر و مرتد ہونے پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صیام رمضان کے وجوب پر کتاب و سنت میں واضح اور مستحکم دلائل مذکور ہیں۔

آفتاب اسلام کے طلوع ہونے سے لے کر آفتاب تک دنیا کی یہ ریت رہی ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں دشمنان اسلام دین اسلام کی شبیہ بگاڑنے اور اس سے بنی نوع انسان کو متنفر کرنے کے لئے فرائض اسلام کی روحانیت و معنویت اور اس کی افادیت کا انکار کرنے اور انہیں دنیاوی ترقی میں سدراہ قرار دینے کی ناروا کوشش کرتے رہے ہیں۔

عصر حاضر میں معاندین اسلام اور ان کے اسلام مخالف افکار و نظریات سے متاثر افراد روزہ کے تعلق سے دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ روزہ میں جسمانی

ہے اور صبر و ضبط سے کام لیتا ہے اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ کی یہ تربیت و تمرین رمضان کے پورے مہینے میں دی جاتی ہے۔ یقیناً آداب و احترام اور قیود و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر روزہ کی پابندی واہتمام کیا جائے تو خود بخود تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔

امام ابن قیم رقم طراز ہیں: ”روزہ جو ارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے، فاسد مادہ کے جمع ہو جانے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اس سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، جو چیزیں مانع صحت ہیں ان کو خارج کر دیتا ہے، اور اعضاء و جوارح میں جو خرابیاں ہوا و ہوس کے نتیجے میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں، وہ اس سے دفع ہوتی ہیں، وہ صحت کے لئے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں بہت مدد و معاون ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر روزے ویسے ہی فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (بقرہ: ۱۸۳) چنانچہ ایسے شخص کو جو نکاح کا خواہشمند ہو اور استطاعت نہ رکھتا ہو، روزہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس کو اس کا تریاق قرار دیا گیا ہے، مقصود یہ ہے کہ روزہ کے مصالح اور فوائد چونکہ عقل سلیم اور فطرت صحیح کی رو سے مسلم تھے، اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کی خاطر محض اپنی رحمت اور احسان سے فرض کیا ہے۔ (زاد المعاد: ۱۵۲/۱، بحوالہ: ارکان اربعہ: ۲۳۳-۲۳۴)

تعاون و ہمدردی: انسانی اخوت و بھائی چارگی اور تعاون و ہمدردی کی اہمیت و ضرورت اور اس کی قدر و قیمت

آخرت کی کامیابی کے ساتھ ساتھ ایک انسان دنیا میں بھی مصائب و مشکلات اور ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے کیوں کہ تقویٰ کے معنی و مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مفید و سود مند کام کیا جائے اور مضر و مفسد کاموں سے احتراز کیا جائے، چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”تقویٰ نام ہے ایسے کاموں سے بچنے کا جو نقصان دہ ہیں اور ایسے کام انجام دینے کا جو نفع بخش ہیں (مجموع الفتاویٰ: ۱۴۴/۱۰)۔

بندگان الہی کو اسی صفت تقویٰ سے متصف کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کا روزہ فرض کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون) اے مومنو! تم پر روزے ویسے ہی فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے (بقرہ: ۱۸۳)

روزہ کے ذریعہ تقویٰ و پرہیزگاری بایں طور پیدا کی جاتی ہے کہ روزے کی حالت میں ایک بندہ مومن محض روزے کی حفاظت کے لئے کہ کہیں روزہ ٹوٹ نہ جائے کھانے، پینے اور جماع وغیرہ سے خود کو روک رکھتا ہے جب کہ اس کے پاس اشیائے خورد و نوش موجود ہوتی ہیں لیکن وہ جانتا ہے کہ روزے کی حالت میں کھانے پینے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور بھوک و پیاس برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یقیناً حکم الہی کی تعمیل و تکمیل اور نہی الہی سے اجتناب و احتراز کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے کہ بندہ مومن بھوک و پیاس جیسی شدید تکلیف و مشقت برداشت کر لیتا

تعالیٰ اس کی ضرورت بھی پوری فرماتا ہے۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے کی تعلیم مذہب اسلام میں اس قدر ٹھوس اور مؤکد ہے کہ انسان تو انسان حیوانوں، چوپایوں، پرندوں حتیٰ کہ چیونٹیوں وغیرہ کے ساتھ بھی مشفقانہ برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ (عام کتب حدیث)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مذہب اسلام میں تعاون و ہمدردی، شفقت و مہربانی، خیر خواہی و رحمدلی اور مصیبت زدہ و پریشان حال لوگوں کی خبر گیری و داد رسی کی کتنی اہمیت و فضیلت ہے اور اس کی کتنی تاکید آئی ہے۔ اسی غمخواری و یہی خواہی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے شریعت اسلام نے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں تاکہ ایک مسلمان روزہ میں بھوک و پیاس کی مشقت برداشت کرے اور اسے تجرباتی طور پر معلوم ہو کہ بھوک پیاس کی تکلیف کیسی ہوتی ہے؟ نیز اس کے اندر یہ احساس بیدار ہو کہ فقراء و مساکین اور مصیبت زدہ لوگوں کی زندگی کن کٹھنائیوں سے گذرتی ہے؟ اور وہ کس قدر درد و کرب میں مبتلا ہوتے ہیں؟ اور وہ اپنے شب و روز کس المناک و اندوہناک حالت میں گزارتے ہیں؟ نیز اس کے اندر یہ شعور و جذبہ پیدا ہو کہ خستہ حال اور مصیبت میں گرفتار لوگوں کی ہمیں مدد کرنی چاہئے اور بھوکوں و دکھی افراد کے ساتھ ہمیں تعاون کا معاملہ کرنا چاہئے۔

ابن قیم اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”روزہ سے مقصود یہ ہے کہ نفس انسانی خواہشات

کسی سے مخفی نہیں ہے۔ پر امن سوسائٹی کی بناء و تعمیر اور خوش حال معاشرہ کی تشکیل کے لئے باہم غمخواری اور آپس میں ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنا اور ہاتھ بٹانا ناگزیر ہے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جس قوم کے اندر فقراء و مساکین اور بد حال لوگوں کی خبر گیری و داد رسی کا ماحول رہا ہے اس قوم کی زندگی پر بہار اور خوشگوار رہی ہے۔ اور اس کے برعکس جس سماج میں خود غرضی، بے رحمی، سنگ دلی اور دوسرے کو استحصال کرنے کا ماحول رہا ہے، بربادی اس سماج کی مقدر بنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام نے اپنے ماننے والوں کو باہمی امداد و تعاون اور ہمدردی و رحمدلی کی تعلیم و تاکید اور ترغیب دی ہے اور بے مروتی و بے دلی اور بخالت و بے رحمی کی شدید لفظوں میں مذمت کی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مثل المؤمنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم کمثل الجسد إذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی ایک دوسرے سے الفت و محبت کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ رحم و کرم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و مہربانی کرنے میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ ایک عضو کو تکلیف ہونے کی صورت میں پورا جسم بیداری اور بخار (تکلیف) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (رواہ الشیخان عن النعمان بن بشیر) اور بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے لہذا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہ کرے اور مدد کرنا نہ چھوڑے جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے تو اللہ

تحقیق میں روزہ سے زیادہ، ارزاں و اعلیٰ کوئی دوا نہیں ہے۔ نظام ہضم سے تعلق رکھنے والے امراض میں روزہ کا فائدہ بالکل ظاہر ہے، ان امراض میں روزہ سکون پہنچاتا ہے۔ قولنج کے مریضوں کو روزہ سے بہت فائدہ پہنچتا ہے اور الرجک کے بعض امراض میں روزہ کافی مفید ہے۔ موٹاپے کے مرض میں بھی روزہ تیر بہ ہدف ہے۔ گھٹنوں کے مرض میں مبتلا مریضوں کے لئے رمضان ایک سنہرا موقع ہے۔ گذشتہ صدی کے اواخر اور اس صدی کے اوائل میں جرمنی اور امریکہ میں روزہ کے ذریعہ شوگر کے مرض کو کنٹرول کرنے کا طریقہ معروف تھا۔ موجودہ دور میں انسولین کے انجکشن اور دوسری دواؤں کی ایجاد سے پہلے روزہ ہی سے علاج کیا جاتا تھا۔ امراض قلب میں بھی روزہ بہت مفید ہے کیوں کہ بسیار خوری اور چکنی و مرغن اشیاء کے کھانے سے کولسٹرال کا خطرہ بڑھ جاتا ہے جس کے نتیجے میں قلبی امراض لاحق ہوتے ہیں، ظاہری بات ہے کہ روزہ رکھنے کی صورت میں دن کا کھانا نہ لینے کی صورت میں خون میں چکنائی اور کولسٹرال میں کمی ہوتی ہے اور اس طرح دل کی شراکین کی حفاظت ہوتی ہے اور جو شراکین متاثر ہو چکی ہے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ ہائی بلڈ پریشر میں بھی روزہ سے یقیناً فائدہ ہوگا کیوں کہ روزہ سے دن میں استعمال ہونے والے نمک کی مقدار کم ہو جائے گی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے روزہ اور عید الفطر تریقی نقطہ نظر سے: 51-60)

شخصیت سازی: روزہ کے احکام و مسائل اور اس کے شرائط و آداب کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے والا اس حقیقت کو واضح طور پر محسوس کرے گا کہ مشروعیت صیام کی

اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہو سکے، اس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو اور اس ذریعہ سے وہ سعادت ابدی کے گوہر مقصود تک رسائی حاصل کر سکے اور حیات ابدی کے حصول کے لئے اپنے نفس کا تزکیہ کر سکے، بھوک اور پیاس سے اس کی ہوس کی تیزی اور شہوت کی حدت میں تخفیف پیدا ہو اور یہ بات یاد آنے لگے کہ کتنے مسکین ہیں جو نان شبینہ کے محتاج ہیں، وہ شیطان کے راستوں کو اس پر تنگ کرنے اور اعضاء و جوارح کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے روک دے جن میں اس کی دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے، اس لحاظ سے یہ اہل تقویٰ کی لگام، مجاہدین کی ڈھال اور ابراہار و مقررین کی ریاضت ہے۔" (زاد المعاد: ۱۵۲، بحوالہ ارکان اربعہ: ۲۳۳)

طبی و جسمانی فوائد: روزہ کے ذریعہ جس طرح دوسروں کے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے اور خیر خواہی و غمخواری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح روزہ سے روزہ رکھنے والوں کا ذاتی فائدہ بھی ہوتا ہے۔ تحقیقات سے ثابت ہے کہ طبی نقطہ نظر سے روزہ رکھنے میں بدنی و جسمانی اور ذہنی و فکری فوائد ہیں چنانچہ ڈاکٹر مقتدی حسن از ہری رحمہ اللہ نے (العربی، کویت، شمارہ: ، جون 1984ء، ص: 168 وما بعد) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ روزہ سے ذہن کی صفائی اور فکر کی بالیدگی پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مشہور فلسفی سقراط (۰۰ ق م) کو جب کسی اہم موضوع پر غور فکر کرنا ہوتا تو وہ دس دن روزے رکھ لیتا۔ بلزاک (1946ء) اپنے زمانے کا مشہور معالج تھا، اس کا کہنا تھا کہ کئی دن دوا استعمال کرنے سے بہتر ہے کہ ایک دن روزہ رکھ لیا جائے۔ ابن سینا کی

یہ ہے کہ آدمی اخلاق الہیہ میں سے ایک اخلاق کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے جس کو "صمدیت کہتے ہیں، اور امکانی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہو جائے، اس لئے کہ فرشتے بھی خواہشات سے پاک ہیں، اور انسان کا مرتبہ بھی بہائم سے بلند ہے، نیز خواہشات کے مقابلہ کے لئے اس کو عقل و تمیز کی روشنی عطا کی گئی ہے، البتہ وہ فرشتوں سے اس لحاظ سے کم تر ہے کہ خواہشات اکثر اس پر غلبہ پالیتی ہیں، اور اس کو ان سے آزاد ہونے کے لئے سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، چنانچہ جب وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہنے لگتا ہے تو اسفل سافلین تک جا پہنچتا ہے، اور جانوروں کے ریوڑ سے جاملتا ہے اور جب اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے تو اعلیٰ علیین اور فرشتوں کے آفاق تک پہنچ جاتا ہے۔" (احیاء علوم الدین: ۲۱۲/۱، بحوالہ ارکان اربعہ: ۲۳۳)

☆☆☆

ایک حکمت و فلسفہ بنی نوع انسان کو عادات رذیلہ و افعال قبیحہ اور اعمال ناشائستہ سے پاک کرنا اور حسن اخلاق و اعلیٰ اقدار اور بلند کردار سے مزین کرنا ہے۔ چنانچہ روزہ دار کو غیبت و چغلیخوری، جھوٹ و دروغ گوئی، سب و شتم و بدگوئی، جہالت و فحش کلامی، لڑائی جھگڑا و ہاتھ پائی سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے تاکہ رمضان کے پورے مہینے میں وہ ان برے اخلاق سے اپنے آپ کو دور رکھنے کی پریکٹس کر لے اور ان معاملات میں اپنے اندر صبر و ضبط کا مادہ پیدا کر لے اور صدق گوئی و راست کلامی، عیوب کی پردہ پوشی اور محبت و ملساری کا خوگر بنے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ جو روزہ دار جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔" (بخاری) اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی روزہ سے ہو تو وہ فحش گوئی نہ کرے اور نہ ہی بیہودہ پن دکھائے، اگر کوئی دوسرا آدمی روزہ دار کو سب و شتم کا نشانہ بنائے یا جھگڑے تو روزہ دار کو چاہئے کہ وہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں (روزہ کی حالت میں لڑنے جھگڑنے کی اجازت نہیں ہے) اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھانے پینے سے رکنے کا نام روزہ نہیں ہے بلکہ بیہودہ اور فحش کاموں سے رکنے کا نام روزہ ہے۔ (ابن خزیمہ)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص انداز بیان میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: "روزہ کا مقصد

مسافر کے روزے: احکام و مسائل

مجیب الرحمن سلفی

"هو الخروج على قصد سيرة ثلاثة أيام ولياليها، فما فوقها بسير الإبل ومشى الأقدام" بيدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن و تین رات میں طے ہونے والی مسافت تک سفر کرنے کی نیت سے (اپنے شہر یا گاؤں کی آبادی سے باہر) نکل جانا سفر کہلاتا ہے۔

(التحریرات للبحر جانی، ص: 157)

اور مسافر وہ ہے جو معتدل چال سے تین دن و تین رات تک مسافت طے کرے۔ (الصيام في الإسلام في ضوء الكتاب والسنة، ص: ۱۲۶)

۲- سفر کی تحدید اور شروط جس میں روزہ چھوڑنا جائز ہے جمہور علماء کرام اس مسافت کی تحدید کرتے ہیں جس میں مسافر جمع اور قصر کر سکتا ہے، لیکن بعض علماء کرام اس کی تحدید نہیں کرتے بلکہ یہ عرف اور عادت پر چھوڑتے ہیں، لوگوں کے ہاں جو سفر معروف ہو اس میں قصر اور روزہ نہ رکھنے کی رخصت مشروع ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"حد السفر الذي علق الشارع به الفطر والقصر: وهذا ما اضطرب الناس فيه، قيل: ثلاثة أيام وقيل يومين قاصدين. وقيل: أقل من ذلك حتى قيل: ميل والذين حددوا ذلك

مذہب اسلام میں روزہ ایک عظیم عبادت ہے، اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں سے ایک عظیم رکن ہے، کتاب و سنت میں روزے کے احکام و مسائل تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں، زیر نظر مضمون میں مسافر کے روزے سے متعلق شرعی احکام و مسائل بیان کئے جا رہے ہیں۔

۱- سفر اور مسافر کا مفہوم

اہل عرب کے نزدیک سفر کا معنی "قطع المسافة والخروج للارتحال" یعنی مسافت طے کرنا اور سفر کے لیے کوچ کرنا ہے، اس کا فعل "سفر، يسفر" باب ضرب سے آتا ہے، لیکن یہ فعل متروک ہو چکا ہے، اس کی جگہ فعل "سافر، يسافر، مسافرة" مستعمل ہے۔ اس کی جمع "أسفار" آتی ہے۔

سفر کو سفر اس لیے کہتے ہیں "لأنه يسفر عن وجوه المسافرين و اخلاقهم فيظهر ما كان خافياً فيها، لأن المسافرين يبرز بسفره للفضاء۔

کیونکہ دوران سفر لوگوں کے معاملات کا پتہ چلتا ہے، ان کے اخلاق کھل کر سامنے آتے ہیں اور لوگوں کی چھپی ہوئی عادتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (مختار الصحاح، لفظ سفر، لسان العرب: ۳۲/۶-۳۳، تاج العروس: ۳/۲۶۹) اصطلاح میں سفر کہتے ہیں:

نیت کرے تو وہ سفر کی رخصت پر عمل نہیں کرے گا، اور جب وہ چار یا اس سے کم دن رہنے کی نیت کرے تو وہ سفر کی رخصتوں پر عمل کر سکتا ہے۔

اور وہ مسافر جو کسی شہر میں رہے اور اسے اپنی ضرورت ختم ہونے کا علم نہ ہو اور نہ ہی اس نے رہنے کی مدت متعین کی ہو تو وہ بھی سفر کی رخصت پر عمل کرے گا چاہے مدت جتنی بھی طویل ہو جائے، اس میں سمندری یا خشکی کے سفر کا کوئی فرق نہیں۔ اتنی

(دیکھیں: فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (8/99)۔ مسافر کے لیے جس سفر میں روزہ چھوڑنے کی رخصت حاصل ہے، اہل علم نے اس کے لیے حسب ذیل شرائط مقرر کیے ہیں

- ۱- سفر طویل ہو جس میں نماز قصر کی جاتی ہے۔
- ابن رشد نے کہا ہے کہ: سفر میں روزہ چھوڑ دینے کی اجازت کا عقلی معنی مشقت ہے، اور جب وہ ہر سفر میں نہیں پائی جاتی ہے تو واجب ہوا کہ روزہ چھوڑنا اس سفر میں جائز ہو جس میں مشقت ہو، اور جب صحابہ کرام کا اس بارے میں ایک حد پر اجماع ہے، تو ضروری ہے کہ اس کو نماز کے قصر کرنے میں حد پر قیاس کیا جائے۔ (بدایۃ المجتہد/3461)
- ۲- مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مسافر اپنے سفر کے درمیان چار دن چار رات اقامت کا ارادہ نہ کرے، اور حنابلہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ کا ارادہ نہ کرے اور حنفیہ کے نزدیک یہ مدت نصف مہینہ یا پندرہ یوم ہے۔ (الدر المختار/528 1، شرح الخلی علی المنہاج/1 257، الروض المربع/891)

ہے) مکہ کے لوگو! مکہ سے عسفان تک چار برد سے کم کی مسافت میں قصر نہ کرو۔ حضرت ابن عمر اور ابن عباس چار برد میں قصر و افطار کرتے تھے، ایک برید چار فرسخ کے برابر ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین ہاشمی میل ہوتا ہے، تو اس طرح اڑتالیس میل ہوئے اور بنو امیہ کے میل سے فرسخ ڈھائی میل کا ہوتا ہے، اس صورت میں مسافت چالیس میل ہوگی۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ج 25 ص 55)

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فأما المسافر سفرًا قصيرًا فإنه لا يفطر، وسفر القصر على المذهب ورأى العلماء يقدر بمسافة مسيرة يومين قاصدين للإبل، وهي مسافة ستة عشر فرسخًا ومقدارها بالكيلو، واحد وثمانون كيلو وثلاثمائة وسبعة عشر متراً بالتقريب لا بالتحديد، فعلى هذا نقول: إذا نوى الإنسان سفر هذه المسافة فإنه يحل له القصر، وحينئذ يسن له أن يفطر۔ (الشرح الممتع ج 6 ص 342)

مستقل فتویٰ کمیٹی کے فتاویٰ جات میں ہے:

جس سفر میں سفر کی رخصت پر عمل کرنا مشروع ہے جسے عرف سفر شمار کرے، اس کی مسافت تقریباً اسی کلومیٹر ہے، چنانچہ جو شخص اتنی یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر کرے اس کے لیے سفر کی رخصتوں موزوں پر تین یوم مسح، نماز جمع اور قصر کرنا، اور رمضان میں روزہ افطار کرنا، ان رخصتوں پر عمل کرنا مشروع ہے۔

یہ مسافر اگر کسی شہر میں چار دن سے زیادہ رہنے کی

طرف رمضان میں چلے تو آپ ﷺ روزہ سے تھے لیکن جب کدید پہنچے تو روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔ ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے فرمایا کہ عسفان اور قدید کے درمیان کدید ایک تالاب ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب اذ اصام ایامنا من رمضان ثم سافر: ۱۹۶۶)

اور اس لئے کہ سفر صرف مشقت کی وجہ سے رخصت کا سبب ہے۔

امام نووی نے ابو محمد تابعی سے نقل کیا ہے کہ: وہ سفر نہیں کرے گا، اگر سفر کرے گا تو اس پر روزہ لازم ہوگا، اور روزہ چھوڑنا حرام ہوگا، اور سوید بن غنمہ تابعی سے منقول ہے کہ: اس پر بقیہ رمضان کے روزے لازم ہوں گے، اور سفر ممنوع نہ ہوگا، اور ان دونوں چیزوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (سوم میں سے کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ مہینہ بھر) روزہ رکھے۔"

(الموسوعۃ الفقھیہ: ۲۵/۵۸)

کاسانی نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ: جب کوئی شخص شہر میں چاند دیکھے پھر سفر کرے، تو اس کے لئے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہوگا، اور اس کے لئے ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے: "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" (سوم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ مہینہ بھر) روزہ رکھے۔ اور اس لئے کہ جب اس نے حضر میں چاند دیکھا تو اس پر اقامت کا روزہ لازم ہوگا اور یہ رمضان کے مہینے کا حتمی روزہ ہے، اور اب وہ سفر کے ذریعہ اسے اپنی طرف

۳- وہ سفر معصیت کے لئے نہ ہو بلکہ صحیح مقصد کے لئے ہو یہ جمہور کا مذہب ہے، اور یہ اس لئے کہ روزہ نہ رکھنا رخصت اور تخفیف ہے، لہذا جو شخص اپنے سفر میں گنہ گار ہو اس رخصت کا مستحق نہیں ہوگا، بایں طور کہ اس کا سفر معصیت پر مبنی ہو، مثلاً ڈاکہ زنی کے لئے سفر کرے۔

حنفیہ مسافر کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دیتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے سفر کی وجہ سے گنہ گار ہو، اس لئے کہ رخصت سے متعلق نصوص مطلق ہیں اور اس لئے بھی کہ نفس سفر معصیت نہیں ہے، اور معصیت وہ عمل ہے جو اس کے بعد ہوگا یا اس سے متصل ہوگا، اور رخصت سفر سے متعلق ہے نہ کہ معصیت سے۔

(تبيين الحقائق/2161، مراقی الفلاح ص 230)

۴- یہ کہ شہر اور اس سے متصل آبادی، عمارات، اور خیموں سے گزر جائے۔ (المجموع/2616)

عام صحابہ اور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کا چاند دیکھے اور وہ مقيم ہو پھر سفر کرے تو اس کے لئے روزہ چھوڑنا جائز ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق سفر کو رخصت کا سبب قرار دیا ہے ارشاد ہے: "وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ، فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" (اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار (لازم) ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: أن رسول الله ﷺ خرج إلى مكة في رمضان فصام حتى بلغ الكديد، أفطر فأفطر الناس، قال أبو عبد الله: والكديد ماء بين عسفان وقدید.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ (فتح مکہ کے موقع پر) مکہ کی

فِي إِبِلٍ كَانَتْ لِي أُخِذْتُ، فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ يَأْكُلُ،
فَدَعَانِي إِلَى طَعَامِهِ، فَقُلْتُ: إِنِّي صَائِمٌ. فَقَالَ:
"أَدُنُّ أُخْبِرُكَ عَنْ ذَلِكَ؛ إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنِ
الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ، وَشَطَرَ الصَّلَاةِ. (سنن
السنائي: ۲۲۷۶)
اجماع سے دلیل

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى إِبَاحَةِ الْفَطْرِ
لِلْمَسَافِرِ.

مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کے مباح ہونے پر
مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ (المغنی: ۴/۳۴۵)

۴- مسافر کے لیے روزہ چھوڑنا افضل ہے یا روزہ
رکھنا؟

اس مسئلہ میں متعدد شرعی نصوص منقول ہیں، جن میں
جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ مسافر کی تین حالتیں ہیں۔

۱- دوران سفر مسافر کے لیے روزہ رکھنا باعث شاق
ہو، تو ایسی صورت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
سَفَرٍ، فَرَأَى زَحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظَلَلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ:
" مَا هَذَا؟ " فَقَالُوا: صَائِمٌ. فَقَالَ: " لَيْسَ مِنَ
الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ "۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر (غزوہ فتح) میں
تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگوں
نے سایہ کر رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا

سے ساقط کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار اس کو نہیں ہوگا۔
(البدائع والصنائع: ۲/۹۵، ۹۷)

۳- مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کی مشروعیت
مسافر کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے، حنفیہ،
مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور دیگر اہل علم کا اس بات پر اتفاق
ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مسافر کے لیے رمضان وغیر رمضان میں روزہ چھوڑنا
جائز ہے، اس پر کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع کی
دلالت موجود ہے۔ (المغنی: 4/345)

کتاب اللہ سے دلیل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

" فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ " (البقرة: 184)

ترجمہ: اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو
دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے۔

سنت سے دلیل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ
وَشَطَرَ الصَّلَاةِ. (سنن الترمذی، أبواب
الصوم عن رسول الله، باب الرخصة في
الإفطار للحبلى والمرضع، رقم: ۷۱۵)

سنن نسائی میں حضرت انس بن مالک سے روایت
ہے، وہ فرماتے ہیں:

أ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علی مثل هذه الحالة -

ابن دقین العید فرماتے ہیں:

"مذکورہ قصہ سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے کی کراہیت ایسی حالت کے ساتھ خاص ہوگی جسے روزہ تھکا دے یا اس کے لیے باعث شاق ہو، یا اولی و بہتر کو ترک کرنے کو مستلزم ہو، چنانچہ قول رسول "سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں" ایسی ہی حالت پر محمول کیا جائے گا۔ (فتح الباری/1833)

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولا شك أن من كان قد بلغ الصوم في سفره إلى مثل هذه الحال أن الإفطار به الأولى من الصوم ولا بر في صومه وهو كذلك، بل البر في الإفطار ليحيى به نفسه، بل هو إن صام وهو كذلك في سفره في الإثم كالمفطر في الحضر۔"

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ دوران سفر روزہ رکھنے سے آدمی اس حالت تک پہنچ جائے (جیسا کہ حدیث میں مذکور ہوا) تو اس کے لیے روزہ رکھنے کے بالمقابل افطار کرنا اولی و بہتر ہے اور جب تک وہ اس حالت میں ہے اس کے لیے روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں، بلکہ اگر اس حالت میں وہ روزہ رکھتا ہے تو حالت اقامت میں افطار کرنے والے کی طرح وہ گنہگار ہوگا۔

تہذیب الآثار و تفصیل معانی الثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الأخبار ج 1 ص 333

کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک روزہ دار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا کام نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: کتاب الصوم: بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ ظَلَلَ عَلَيْهِ، وَاشْتَدَّ الْحَرُّ: "ليس من البر الصوم في السفر" - رقم: (1946)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث پر باب قائم کیا ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ ظَلَلَ عَلَيْهِ، وَاشْتَدَّ الْحَرُّ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ:

باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اس شخص کے لیے جس پر شدت گرمی کی وجہ سے سایہ کر دیا گیا تھا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس باب کا مقصود یہ ہے کہ "أن الإفطار في السفر أولى في حق من شق عليه الصيام" یعنی جس شخص کے لیے روزہ رکھنا باعث مشقت ہو تو سفر میں اس کا روزہ نہ رکھنا اولی و بہتر ہے۔ (فتح الباری/1833)

وقال ابن دقین العید:

أخذ من هذه القصة أن كراهة الصوم في السفر مختصة بمن هو في مثل هذه الحالة ممن يجهد الصوم ويشق عليه أو يؤدي به إلى ترك ما هو أولى من الصوم من وجوه القرب، فينزل قوله "ليس من البر الصوم في السفر"

۳- دوران سفر روزہ باعث شاق نہ ہو، تو ایسی صورت میں روزہ رکھنا بہتر ہے۔

اگر دوران سفر مسافر روزہ رکھنے پر قادر ہے اور روزہ رکھنے میں جسمانی و دینی ضرر کا خدشہ نہ ہو، تو اس کے لیے روزہ رکھنا اولیٰ و بہتر ہے، اس لیے کہ سفر میں افطار کرنا یہ رخصت ہے اور روزہ رکھنا عزیمت ہے، اور اہل اصول کے نزدیک متفقہ طور پر عزیمت کو اپنانا بہتر ہے۔ نیز دوران سفر روزہ رکھنا صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ثابت ہے۔

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فِي يَوْمٍ حَارٍّ؛ حَتَّى يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ، وَمَا فِيْنَا صَائِمٌ إِلَّا مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنِ رَوَاحَةَ۔

ابو برداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کر رہے تھے۔ دن انتہائی گرم تھا۔ گرمی کا یہ عالم تھا کہ گرمی کی سختی سے لوگ اپنے سروں کو پکڑ لیتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص روزہ سے نہیں تھا۔

علامہ سندی لکھتے ہیں:

قد يؤخذ من صومه صلى الله عليه وسلم في السفر مع ذلك الحر أن الصوم فيه أفضل من الفطر۔

دوران سفر گرمی کی شدت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا

افطار کرنے سے اولیٰ و بہتر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وفى الحديث دليل على أن لا كراهية فى الصوم فى السفر لمن قوى عليه ولم يصبه منه مشقة شديدة۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دوران سفر روزہ رکھنے پر جو شخص قادر ہو، اور اسے کوئی بھاری مشقت و پریشانی نہ لاحق ہو تو دوران سفر اس کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں۔

۳- دوران سفر روزہ اس قدر شاق ہو کہ اس کی ہلاکت کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں افطار کرنا واجب ہے۔

(صحیح فقہ السنۃ وأدلتہ: ۲/۱۲۰-۱۲۲)

۴- رخصت سفر کا ختم ہونا

رخصت سفر دو چیزوں سے بالاتفاق ختم ہو جاتی ہے

۱- جب مسافر اپنے شہر واپس آ جائے، اور اپنے وطن میں داخل ہو جائے، اور یہ اس کا محل اقامت ہے، اگرچہ اس کا داخل ہونا کسی ایسی چیز کی وجہ سے ہو جسے وہ بھول گیا ہو، اس پر روزہ واجب ہوگا، جیسا کہ اگر رات کو آئے یا نصف نہار سے قبل آئے، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

(الدر المختار: ۲/۱۰۶)

اور اگر دن میں آئے، اور رات میں روزہ کی نیت نہ کی ہو، یا حنفیہ کے نزدیک نصف نہار کے بعد آئے، اور اس سے قبل اس نے روزہ کی نیت نہ کی ہو تو وہ دن کے باقی حصہ میں رکا رہے گا۔

دوم: اگر مسافر ایک جگہ مطلق اقامت کی نیت کرے، یا اس مدت اقامت کی نیت کرے جس میں مسافر کے لئے

مہینہ تیس دنوں کا ہو تو آخری دن کا روزہ اس پر لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ** (تو) (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے)۔
(جواہر الکیل: ۱/۱۵۳، ۱۵۴)

اور ابن وہب نے کہا ہے کہ: اگر چاند کے حساب سے روزہ رکھے تو وہ جو روزہ رکھے گا وہ کافی ہوگا، اگرچہ وہ مہینہ انتیس دنوں کا ہو، اور رمضان تیس دنوں کا رہا ہو۔ (کشاف القناع: ۲/۳۳۳)

اسی طرح حنابلہ میں سے قاضی نے کہا ہے کہ: اگر چاند کے پورے مہینہ میں قضا روزے رکھے تو اس کی طرف سے کافی ہوگا، چاہے مہینہ مکمل ہو یا ناقص اور اگر کسی پورے مہینہ میں قضا نہ کرے تو تیس دنوں کے روزے رکھے گا۔

لیکن جمہور نے یہ قید لگائی ہے کہ اس کی قضا کا وقت فوت نہ ہو جائے، بایں طور کہ دوسرا رمضان آجائے، اس لئے کہ حضرت عائشہ کا ارشاد ہے: "كان يَكُونُ عَلِي الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أُسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ." (صحیح البخاری، رقم: ۱۹۵۰) میرے ذمہ رمضان کا روزہ رہا کرتا تھا، تو میں اسے شعبان کے علاوہ مہینہ میں اس کی قضا نہیں کر پاتی تھی، جیسا کہ پہلی نماز کو دوسری نماز تک مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک رمضان کی قضا کو دوسرے رمضان تک بلا عذر مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، اس کی وجہ سے گنہگار ہوگا، دلیل حضرت عائشہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔

☆☆

روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے اور مکان اقامت کے لائق ہے، کشتی، جنگل اور دارال حرب کی طرح نہ ہو، تو اس کی وجہ سے وہ مقیم ہو جائے گا، اور نماز پوری کرے گا اور روزہ رکھے گا اور رمضان میں روزہ نہیں چھوڑے گا، اس لئے کہ سفر کا حکم ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے صراحت کی ہے کہ عذر کے ختم ہونے کی وجہ سے صحیح قول کے مطابق روزہ چھوڑنا اس پر حرام ہوگا۔

(البدائع والصنائع: ۲/۹۷، شرح المجلی علی المنہاج: ۲/۶۴)

۶- مسافر فوت شدہ روزوں کی قضا کب کرے

جو شخص رمضان کے دنوں میں روزہ نہ رکھے (جیسے مریض اور مسافر)، تو وہ فوت شدہ روزہ کی گنتی کے لحاظ سے قضا کرے گا، کیونکہ قضا فوت شدہ روزوں کی گنتی کے اعتبار سے واجب ہوتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ** (اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو) (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے)۔ جس کا پورے رمضان کا روزہ چھوٹ جائے تو وہ پورے مہینہ کی قضا کرے گا، چاہے اسے مہینہ کی ابتدا سے شروع کرے یا اس کے درمیان سے، جیسے فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا ہے، شیخ صالح عبد السمیع آبی لکھتے ہیں: رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا گنتی کے ذریعہ ہوگی، لہذا جو پورے رمضان میں روزہ چھوڑ دے اور وہ تیس دن کا ہو، اور اس کی قضا چاند کے کسی مہینہ میں کرے اور وہ انتیس دنوں کا ہو، تو ایک دن اور روزہ رکھے گا، اور اگر اس کے رمضان کے روزے چھوٹ جائیں اور وہ انتیس دنوں کا ہو اور وہ کسی ایک مہینہ میں اس کی قضا کرے اور وہ

سنن رواتب کے احکام و مسائل

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

استاد حدیث، جامعہ سلفیہ، بنارس

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا بأس أن يدعو الرجل في الوتر لحاجته" (۵) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ انسان وتر میں اپنی حاجت کے اعتبار سے دعا کرے اور فرمایا: "يدعو بما شاء" (۶) "دعاے وتر میں جو چاہے مانگے۔"

ابوبکر خلال سے مروی ہے کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "لا يصح فيه عن النبي ﷺ شيء، ولكن عمر كان يقنت" (۷) "قنوت کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، لیکن عمر دعاے قنوت پڑھتے تھے۔"

ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ولست أحفظ خبرًا ثابتًا عن النبي ﷺ في القنوت في الوتر" (۸) "قنوت وتر کے بارے میں نبی ﷺ سے کسی ثابت خبر کو میں نہیں جانتا ہوں۔"

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوت وتر کی کوئی خاص دعا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے لہذا قنوت وتر میں کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے، لیکن بہت سارے اہل علم کے نزدیک قنوت وتر کی ایک خاص دعا ہے جسے اصطلاح میں دعاے قنوت یا دعاے وتر کہا جاتا ہے جو حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے، دعا کے الفاظ ہیں:

(آٹھویں قسط: گزشتہ سے پیوستہ)

قنوت وتر کی دعا:

بعض اہل علم کے نزدیک قنوت نازلہ کی طرح قنوت وتر کی بھی کوئی مخصوص دعا نہیں ہے، نمازی کو حالات اور حاجات کے اعتبار سے اختیار ہے کہ جو دعا چاہے پڑھے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وليس فيه دعاء موقت، ولا وقوف موقت" (۱) "قنوت میں نہ تو کوئی دعا متعین ہے اور نہ ہی دعا پڑھنے کا مقام"

ابراہیم بن یزید نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ليس في القنوت شيء موقت، إنما هو دعاء واستغفار" (۲) "قنوت وتر میں کوئی دعا متعین نہیں ہے بلکہ یہ دعا واستغفار کا نام ہے۔"

سفیان ثوری رحمہ اللہ قنوت وتر کی بعض غیر ماثور دعاؤں کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: "وإن دعوت بغير هذا أجزأك، وليس فيه شيء موقت" (۳) "اگر تم نے ان کے علاوہ کوئی دوسری دعا پڑھی تو وہ بھی کافی ہے، کیونکہ قنوت کی کوئی مخصوص دعا نہیں ہے۔"

کرخی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "وأما دعاء القنوت فليس في القنوت دعاء موقت" (۴) "قنوت کے لیے کوئی دعا متعین نہیں ہے۔"

اور روایت کیا ہے امام احمد (۱۰)، ابن ابی عاصم (۱۱)، بزار (۱۲)، دوالبی (۱۳)، ابن خزیمہ (۱۴)، ابن حبان (۱۵) اور بیہقی (۱۶) نے محمد بن جعفر کے طریق سے۔ اور دارمی (۱۷) نے عثمان بن عمر سے۔ ابویعلیٰ (۱۸) نے عبدالملک بن عمرو کے طریق سے۔ ابن خزیمہ (۱۹) نے یزید بن زریح کے طریق سے۔ ابن المنذر (۲۰) نے یحییٰ بن سعید قطان کے طریق سے۔ ابوبکر ابہری (۲۱) اور لاکائی (۲۲) نے عبداللہ بن ادریس کے طریق سے۔ اور بیہقی (۲۳) نے وہب بن جریر کے طریق سے۔ آٹھوں (طیالسی، محمد، عثمان، عبدالملک، یزید، یحییٰ، ابن ادریس اور وہب) نے روایت کیا ہے شعبہ بن حجاج سے، انہوں نے کہا کہ مجھے خبر دی ہے برید بن ابی مریم (۲۴) نے، انہوں نے کہا: میں نے ابو حوراء (۲۵) کو سنا، وہ حسن بن علی سے پوچھ رہے تھے کہ آپ کو رسول ﷺ کی کوئی حدیث یاد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی تھی: "اللهم اهدني فيمن هديت" ... الخ، یعنی بغیر قنوت اور وتر کی قید کے۔

ان آٹھوں لوگوں کی مخالفت کرتے ہوئے عمرو بن مرزوق نے اسے شعبہ سے وتر کی قید کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ طبرانی (۲۶) نے اس کی تخریج کی ہے۔ مذکورہ تخریج سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن مرزوق وتر کی قید کے ساتھ شعبہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور انہوں نے شعبہ کے آٹھ تلامذہ کی مخالفت کی ہے جن میں یحییٰ بن سعید قطان اور محمد بن جعفر غندر بھی ہیں جو شعبہ کے تلامذہ میں دوسروں پر مقدم اور زیادہ ثقہ ہیں۔ لہذا عمرو بن

"اللهم اهدني فيمن هديت، وعافني فيمن عافيت، وتولني فيمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شر ما قضيت، فإنك تقضي ولا يقضى عليك، إنه لا يذل من واليت، ولا يعز من عاديت، تباركت ربنا وتعاليت"۔

مگر اس دعا کے قنوت وتر کے لیے خاص ہونے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ عام دعا ہے وتر کے لیے خاص نہیں ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قنوت وتر کے ساتھ خاص ہے۔

سبب اختلاف:

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حسن بن علی کی اس حدیث کے بعض طرق میں یہ دعا قنوت وتر کی قید کے بغیر مطلق طور پر وارد ہوئی ہے اور بعض میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قنوت وتر میں پڑھنے کے لیے مجھے یہ دعا سکھائی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ اضافہ محفوظ نہیں ہے اور کچھ کے نزدیک محفوظ و ثابت ہے۔

تخریج حدیث:

آئیے ہم اس اختلاف اور قول راجح کو حسن بن علی کی مذکورہ حدیث کی تخریج کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں: حسن بن علی کی یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اور مدار اسناد برید بن ابی مریم ہیں اور ان سے روایت کرنے والے راویان شعبہ، حسن بن عبید اللہ کوفی اور ابواسحاق سبیعی وغیرہ مختلف ہیں، جس کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

شعبہ کی روایت:

اس حدیث کو روایت کیا ہے ابوداؤد طیالسی (۹) نے

مرزوق کی روایت شاذ ہے۔

حسن بن عبید اللہ نخعی کی روایت:

اس حدیث کو روایت کیا ہے دولابی (۲۷) نے فضل بن عباس حلبی سے - اور طوسی (۲۸) نے محمد بن ابراہیم بوشقی سے - اور ابن الاعرابی (۲۹) نے محمود بن محمد حلبی سے - اور طبرانی (۳۰) نے ہاشم بن مرشد طبرانی سے - چاروں (فضل، محمد، محمود، ہاشم) نے روایت کیا ہے محبوب بن موسیٰ ابوصالح فراء (۳۱) سے، وہ ابواسحاق فزاری (۳۲) سے، وہ حسن بن عبید اللہ (۳۳) سے، وہ برید بن ابی مریم سے، وہ ابو حوراء سے، انہوں نے کہا کہ میں نے حسن بن علی سے پوچھا کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں کس کی طرح تھے؟ اور آپ نے نبی کریم ﷺ سے کیا یاد کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کچھ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "دع ما یریبک إلی ما لا یریبک فإن الشر ریبة والخیر طمأنینة" اور میں نے پانچوں نمازوں کو آپ سے سیکھا ہے اور یہ دعا یاد کی ہے: "اللهم اهدنی فیمن ھدیت، وعافنی فیمن عافیت، وتولنی فیمن تولیت، وبارک لی فیما أعطیت، وقنی شر ما قضیت، فإنک تقضی ولا یقضی علیک، وإنه لا یذل من والیت، تبارک ربنا وتعالیت" برید بن ابی مریم نے کہا: پھر میں محمد بن علی بن حنفیہ کے پاس گھائی میں گیا اور ان سے اس حدیث کو ابو حوراء کے طریق سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے سچ کہا یہ وہ کلمات ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ قنوت میں پڑھتے تھے۔ یہ دولابی کے الفاظ ہیں۔

طوسی، ابن الاعرابی اور طبرانی کے الفاظ ہیں: "وعقلت عنه الصلوات الخمس، وکلمات أقولھن عند انقضائھن" یعنی میں نے نبی کریم ﷺ سے پانچوں نمازوں اور اس دعا کو یاد کیا جسے میں ان نمازوں کے آخر میں پڑھتا ہوں۔ یعنی حسن بن علی مطلق طور پر نمازوں کے بعد اس دعا کو پڑھتے تھے اس میں وتر اور قنوت کی قید نہیں ہے۔ لیکن طبرانی نے کتاب الدعاء (۳۴) میں اسی سند کے ساتھ حدیث کو مختصراً روایت کیا ہے اور اس میں ہے: "عقلت عنه الصلوات الخمس وکلمات أقولھن عند انقضاء الوتر" یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دعا مجھے سکھائی ہے جسے میں وتر کے آخر میں پڑھتا ہوں۔

اس روایت میں وتر کی قید ہے لیکن بظاہر یہاں یہ قید درست نہیں ہے کیونکہ طبرانی نے انجم الکبیر میں جیسا کہ گزرا۔ ہاشم بن مرشد ہی کی سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں یہ قید مذکور نہیں ہے اور ابوصالح فراء کے دیگر ثقہ تلامذہ (فضل بن عباس حلبی، محمد بن ابراہیم بوشقی، محمود بن محمد حلبی) نے بھی اس قید کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس تفرد کے ساتھ ساتھ ہاشم بن مرشد طبرانی ضعیف (۳۵) بھی ہے۔ پتہ چلا کہ یہ روایت من جملہ شعبہ کی روایت کی طرح وتر اور قنوت کی قید کے بغیر محفوظ ہے۔

ابواسحاق سہمی وغیرہ کی روایت:

اس حدیث کو روایت کیا ہے ترمذی (۳۶)، ابو داؤد (۳۷)، نسائی (۳۸)، ابن ماجہ (۳۹)، ابن ابی

اور طریق سے نہیں جانتے ہیں اور قنوت وتر کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے اس سے بہتر کوئی روایت ہمیں معلوم نہیں ہے۔"

ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی برید سے روایت کرنے میں ابواسحاق سمیع کے تفرّد کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے (۶۲)۔

- حسن بن عمارہ متروک راوی ہے (۶۳)، لہذا اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

- یونس بن ابی اسحاق صدوق راوی ہیں مگر وہ کبھی کبھی وہم کا شکار ہوتے ہیں (۶۴) مزید یہ کہ دارقطنی رحمہ اللہ نے یونس کی روایت کے بارے میں کہا: "هو غریب من حدیثه عن برید نفسه" (۶۵) یونس کی یہ منفرد حدیث ہے جسے انہوں نے برید سے روایت کی ہے۔

- علاء بن صالح کوئی صدوق راوی ہیں (۶۶) لیکن درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر وتر کی قید کے ساتھ علاء کی یہ روایت محفوظ نہیں ہے:

۱- طبرانی نے کتاب الدعاء میں اس زیادتی کو بسند عبداللہ بن احمد بن حنبل، عن عمرو الناقد، عن ابی احمد الزبیری عن العلاء بن صالح ذکر کیا ہے مگر طبرانی ہی نے اس روایت کو اسی سند سے المعجم الکبیر (۶۷) میں ذکر کیا ہے اور اس میں وتر اور قنوت کا اضافہ نہیں ہے اور اسی روایت کو عبداللہ بن احمد نے مسند (۶۸) میں اپنے والد سے روایت کیا ہے، وہ ابواحمد زبیری سے، وہ علاء بن صالح سے۔ اور اس میں بھی یہ اضافہ موجود نہیں ہے۔

- عدم زیادتی پر امام احمد کی محمد بن بشر عبدی نے

شیبہ (۴۰)، ابن سعد (۴۱)، دارمی (۴۲)، بزار (۴۳)، ابو یعلیٰ (۴۴)، ابن الجارود (۴۵)، ابن خزیمہ (۴۶)، ابن المنذر (۴۷)، طبرانی (۴۸)، لاکائی (۴۹)، ابن حزم (۵۰)، حاکم (۵۱) اور بیہقی (۵۲) نے ابواسحاق سمیع کے طریق سے - اور روایت کیا ہے ابن سعد (۵۳) نے حسن بن عمارہ کے طریق سے - اور روایت کیا ہے ابن سعد (۵۴)، امام احمد (۵۵)، مروزی (۵۶)، ابن جارود (۵۷)، ابن خزیمہ (۵۸) اور طبرانی (۵۹) نے یونس بن ابی اسحاق کے طریق سے - اور روایت کیا ہے طبرانی (۶۰) نے علاء بن صالح کے طریق سے - چاروں (سمیع، حسن بن عمارہ، یونس، علاء) نے روایت کیا ہے برید بن ابی مریم سے، وہ ابو حوراء سے، وہ حسن بن علی سے، انہوں نے کہا: "علّمتنی رسول اللہ ﷺ کلمات أقولهن فی قنوت الوتر" "اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے چند ایسے کلمات سکھائے جنہیں میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں، پھر اس دعا کا ذکر کیا "اللهم اهدنی فیمن ہدیت... الخ، اس روایت میں صراحت ہے کہ یہ دعا قنوت وتر کے ساتھ خاص ہے۔

ان روایتوں کا حال:

- ابواسحاق سمیع کی روایت محفوظ و ثابت ہے مگر اس روایت کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حدیث أبی الحوراء السعدی. ولا نعرف عن النبی ﷺ فی القنوت فی الوتر شیئاً أحسن من هذا (۶۱) "ہم ابو حوراء سعدی کی اس حدیث کو ابواسحاق کی سند کے سوا کسی

وهذا الحديث لا نعلم يرويه، عن النبي ﷺ إلا الحسن بن علي، وقد رواه شعبة، عن بريد، عن أبي الحوراء، عن الحسن بن علي، وزاد فيه أبو إسحاق، عن بريد بن أبي مریم، عن أبي الحوراء، عن الحسن، علمنی رسول الله ﷺ أن أقول في قنوت الوتر، ولم يقل شعبة في قنوت الوتر (۷۲) "ہمیں نہیں معلوم ہے کہ اس حدیث کو حسن بن علی کے علاوہ کسی نے مرفوعاً روایت کی ہے، اور اس حدیث کو شعبہ نے بطریق بريد عن ابی الحوراء عن الحسن بن علی روایت کیا ہے اور اسی سند سے روایت کرتے ہوئے ابو اسحاق نے ان کلمات کا اضافہ کیا ہے کہ: "اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے سکھایا کہ میں قنوت وتر میں یہ دعا پڑھوں" اور شعبہ نے قنوت وتر میں پڑھے جانے کا ذکر نہیں کیا ہے"

ابن خزیمہ رحمہ اللہ شعبہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ولم يذكر القنوت، ولا الوتر. وشعبة أحفظ من عدد مثل يونس بن أبي إسحاق، وأبو إسحاق لا يعلم أسمع هذا الخبر من بريد، أو دلسه عنه، اللهم إلا أن يكون كما يدعى بعض علمائنا أن كلما رواه يونس عن روى عنه أبوه أبو إسحاق هو مما سمعه يونس مع أبيه ممن روى عنه، ولو ثبت الخبر عن النبي ﷺ أنه أمر بالقنوت في الوتر، أو قنت في الوتر لم يجز عندی مخالفة خبر

متابعت کی ہے اور محمد بن بشر ثقہ حافظ ہیں (۶۹)۔ اس روایت کی بیہقی (۷۰) نے تخریج کی ہے ان کے الفاظ ہیں: علمنی دعوات أقولهن مجھے کچھ دعائیں سکھائیں جنہیں میں پڑھتا ہوں۔

لہذا امام احمد اور محمد بن بشر کی روایت کو عمر والناقد کی روایت پر ترجیح دی جائے گی اگر وہم کا صدور عمرو سے مانا جائے تو ورنہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ وہم حافظ طبرانی یا علماء سے واقع ہوا ہو۔

خلاصہ کلام یہ حدیث شعبہ بن جاج اور ابو اسحاق سہبی دونوں کے طریق سے محفوظ ہے، مگر شعبہ کی روایت میں قنوت اور وتر کی تخصیص نہیں ہے جبکہ ابو اسحاق سہبی کی روایت میں قنوت وتر کا ذکر ہے۔

ترجیح:

شعبہ اور ابو اسحاق سہبی دونوں کی روایتوں میں موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ شعبہ کی روایت مقدم ہے کیونکہ وہ ثقاہت و جلالت کے عظیم پہاڑ ہیں اور حسن بن عبد اللہ نے شعبہ کی متابعت بھی کی ہے اور شعبہ کے مقابلے میں ابو اسحاق کی فرائض حدیث میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور مزید یہ کہ ابو اسحاق ثقہ مدلس ہیں (۷۱) اور انہوں نے اس حدیث کو عنعنہ کے ساتھ روایت کی ہے، کسی بھی طریق میں سماع کی صراحت نہیں ہے لہذا اس میں ان کی تالیس کا اندیشہ ہے اور متعدد اہل علم نے شعبہ کی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابو اسحاق سہبی کی روایت ذکر کرنے کے بعد بزار کہتے ہیں:

سکھائیں؟"

ابن حبان نے ابو اسحاق اور ان کے بیٹے یونس کی روایت کے ضعیف ہونے کی دو علت بیان کی ہے پہلی یہ کہ شعبہ کا مقام ابو اسحاق سبعی اور ان کے بیٹے یونس سے کہیں بلند ہے اور دوسری علت یہ کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت حسن بن علی کم سن اور چھوٹے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ دیگر صحابہ کرام کو چھوڑ کر صرف انہیں یہ دعا سکھائیں۔ ظاہر ہے ابن حبان کی پہلی علت قوی ہے لیکن دوسری علت محل نظر ہے اس لیے کہ اس بات کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کم سنی کے باوجود حسن بن علی کو کوئی خاص دعا سکھائیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن حبان کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويؤيد ما ذهب إليه ابن حبان: أنّ الدولابي رواه في "الذرية الطاهرة" له، والطبراني في "الكبير" من طريق الحسن بن عبيد الله، عن بريد بن أبي مریم، عن أبي الحوراء به، وقال فيه: "وكلمات علمنيهن" فذكرهن. قال بريد: فدخلت على محمد بن علي في الشعب فحدثته فقال: صدق أبو الحوراء هن كلمات علمناهن نقولهن في القنوت. وقد رواه البيهقي من طرق قال في بعضها قال بريد بن أبي مریم: فذكرت ذلك لابن الحنفية فقال: إنه الدعاء الذي كان أبي يدعو به في صلاة الفجر" (۷۵) "ابن حبان کے

النبی، ولست أعلمه ثابتاً" (۷۳) "شعبہ نے اپنی حدیث میں نہ تو قنوت کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی وتر کا اور شعبہ یونس بن ابی اسحاق جیسے بہت سے راویوں سے بڑے حافظ ہیں، اور ابو اسحاق کے بارے میں معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ حدیث برید سے سنی ہے یا تالیس کی ہے؟ الا یہ کہ بعض علما کے اس دعویٰ کو قبول کر لیا جائے کہ ہر وہ راوی جس سے یونس اور ان کے والد ابو اسحاق دونوں نے روایت کیا ہے اس کی حدیث کو یونس نے اپنے والد کے ساتھ راوی سے سنا ہے، نیز اگر نبی کریم ﷺ سے یہ بات ثابت ہوتی کہ آپ نے وتر میں قنوت کا حکم دیا ہے یا خود آپ نے وتر میں قنوت پڑھی ہے تو میرے نزدیک حدیث نبوی کی مخالفت جائز نہ ہوتی لیکن میں اس حدیث کو ثابت نہیں مانتا ہوں۔"

ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"لم يقل شعبة في حديثه: قنوت الوتر. وهو أحفظ من مائتين مثل أبي إسحاق وابنه، فليست هذه اللفظة محفوظة؛ لأن المصطفى ﷺ قبض والحسن بن علي ابن ثمان سنين، فكيف يعلمه المصطفى ﷺ قنوت الوتر، ولا يعلمه لهؤلاء الصحابة المهاجرين؟" (۷۴)

"شعبہ نے اپنی حدیث میں قنوت وتر کا ذکر نہیں کیا ہے اور وہ ابو اسحاق اور ان کے بیٹے جیسے سیکڑوں لوگوں سے بڑے حافظ ہیں، پس یہ لفظ محفوظ نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ جب محمد مصطفیٰ ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت حسن بن علی کی عمر آٹھ سال تھی، تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ انہیں قنوت وتر سکھائیں اور مہاجرین صحابہ کو نہ

کے لائق نہیں ہے مگر قنوت وتر کے بارے میں ہم نبی کریم ﷺ سے اس کے علاوہ کوئی اور حدیث نہیں پاتے ہیں اور احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ میرے نزدیک ضعیف حدیث رائے سے بہتر ہے، ابن حزم مزید کہتے ہیں کہ ہمارا بھی یہی قول ہے۔ عمر سے مروی ہے کہ وہ قنوت میں اس دعا کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھتے تھے مگر ہمارے نزدیک مرفوع روایت زیادہ محبوب ہے۔"

ابن حزم کے اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک حسن بن علی کی یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف حدیث رائے سے افضل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ من جملہ یہ روایت ثابت ہے، اس میں صرف قنوت وتر کی قید کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔

توجیہ:

میرے نزدیک ان روایتوں میں توجیہ کی ایک صورت یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کا دعائے قنوت وتر ہونا مرفوعاً ثابت نہیں ہے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے حسن بن علی کو اسے پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن حسن بن علی اسے قنوت وتر میں پڑھا کرتے تھے اور انہیں سے سیکھ کر محمد بن حنفیہ وغیرہ بھی اسے قنوت وتر وغیرہ میں پڑھتے تھے، لہذا شعبہ اور حسن بن عبید اللہ وغیرہ نے صرف مرفوع نکلنے پر اکتفا کرتے ہوئے روایت کیا اور قنوت وتر کی قید ذکر نہیں کی اور ابو اسحاق سبیعی وغیرہ نے دعائے ماثور کے ساتھ ساتھ حسن بن علی کے عمل کو بھی ذکر کر دیا ہے جو کہ درحقیقت موقوف ہے، ابو اسحاق کے الفاظ پر غور کرنے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے، فرمایا: "عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَلِمَاتِ

قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے دولابی نے "الذرية الطاهرة" میں اور طبرانی نے "الکبیر" میں روایت کیا ہے حسن بن عبید اللہ کے طریق سے اور وہ روایت کرتے ہیں برید بن ابی مریم سے، وہ ابو حوراء سے، وہ حسن بن علی سے اور اس میں ہے کہ آپ نے ہمیں چند کلمات سکھائے، پھر انہوں نے ان کلمات کا ذکر کیا، برید کہتے ہیں: "پھر گھائی میں محمد بن حنفیہ کے پاس گیا اور ان سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا کہ ابو حوراء نے سچ کہا وہ چند کلمات ہیں جنہیں حسن نے ہم کو سکھایا ہے اور ہم انہیں قنوت میں پڑھتے ہیں اور یہی نے متعدد طرق سے اس حدیث کو روایت کیا، بعض میں ہے کہ برید بن ابی مریم نے کہا کہ میں نے اس کا ذکر ابن حنفیہ سے کیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ دعا ہے جسے ہمارے والد فجر کی نماز میں پڑھتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ معروف دعا "اللهم اهدني فيمن هديت... اللہ کے رسول ﷺ سے مطلق دعا کے طور پر ثابت ہے مگر اس کا قنوت وتر کی دعا ہونا محل نظر ہے، لیکن قنوت وتر کے لیے نبی کریم ﷺ سے مروی احادیث میں سب سے احسن روایت یہی ہے جیسا کہ ترمذی کا قول گزرا۔ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وهذا الأثر - وإن لم يكن مما يحتج بمثله - فلم نجد فيه عن رسول الله ﷺ غيره، وقد قال أحمد بن حنبل - رحمه الله -: ضعيف الحديث أحب إلينا من الرأي، قال علي: وبهذا نقول. وقد جاء عن عمر القنوت بغير هذا والمسند أحب إلينا" (۷۶) "یہ اثر اگرچہ استدلال

۲- عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ عبد الرحمن بن عبد قاری نے کہا کہ عمر بن الخطاب کے حکم سے صحابہ کرام رمضان کے نصف اخیر میں قنوت وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے: "اللهم قاتل الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك، ولا يؤمنون بوعدك، وخالف بين كلمتهم، وألق في قلوبهم الرعب، وألق عليهم رجزك وعذابك، إله الحق" پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے اور عام مسلمانوں اور مؤمنین کے لیے دعا واستغفار کرتے، پھر آخر میں یہ دعا پڑھتے: "اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، ونرجو رحمتك ربنا، ونخاف عذابك الجذ، إن عذابك لمن عاديت ملحق"۔

اسے روایت کیا ہے ابن خزیمہ (۷۸) نے اور اس کی سند صحیح ہے، علامہ البانی نے کہا: "إسناده صحيح" (۷۹)۔

۳- عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ انہوں نے عبید بن عمیر کو عمر بن الخطاب سے بیان کرتے ہوئے سنا کہ عمر قنوت میں یہ دعا پڑھتے تھے:

"اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات وألف بين قلوبهم وأصلح ذات بينهم وانصرهم على عدوك وعدوهم اللهم العن كفرة أهل الكتاب الذين يكذبون رسلك ويقاثلون أولياءك اللهم خالف بين كلمتهم وزلزل أقدامهم وأنزل بهم بأسك الذي لا تدره عن القوم المجرمين بسم الله الرحمن الرحيم اللهم إنا نستعينك ونستغفرك

أقولهن في قنوت الوتر "اللهم قاتل الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك، ولا يؤمنون بوعدك، وخالف بين كلمتهم، وألق في قلوبهم الرعب، وألق عليهم رجزك وعذابك، إله الحق" پھر نبی کریم ﷺ نے ان کلمات کو وتر میں پڑھنے کی ہدایت دی ہے۔

اس توجیہ کے بعد دونوں طرح کی روایتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں چچتا اور اگر کسی لفظ سے یہ پتہ چلے کہ نبی کریم ﷺ نے قنوت وتر میں پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھائی تھی تو بظاہر وہ روایت بالمعنی ہے اور اس طرح امام احمد اور ابن خزیمہ رحمہما اللہ کے اس قول کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قنوت وتر میں نبی کریم ﷺ سے کوئی دعا ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

قنوت وتر کی دیگر دعائیں:

اس معروف دعا کے علاوہ بعض صحابہ کرام اور تابعین سے قنوت وتر کی کچھ دیگر دعائیں بھی ثابت ہیں جیسے:

۱- وکیع بن الجراح روایت کرتے ہیں ہارون بن ابی ابراہیم سے، وہ عبد اللہ بن عبید بن عمیر سے، انہوں نے کہا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قنوت وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے:

"لك الحمد ملء السموات السبع وملأ الأرضين السبع وما بينهما من شيء بعد، أهل الثناء والمجد أحق ما قال العبد، كلنا لك عبد، لا مانع لما أعطيت، ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجدم منك الجدم"۔

اسے روایت کیا ہے ابن ابی شیبہ (۷۷) نے اور اس کی سند صحیح ہے۔

ونثنى عليك ولا تكفرك ونخلع ونترك من
يفجرك بسم الله الرحمن الرحيم اللهم إياك
نعبد ولك نصلى ونسجد وإليك نسعى ونحفد
نرجو رحمتك ونخاف عذابك إن عذابك
بالكفار ملحق" (۸۰)

اس روایت میں مطلق قنوت کا ذکر ہے جو قنوت وتر
اور قنوت فجر دونوں کو شامل ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے
ہیں: "ولم أقف على رواية عنه فى أنه كان
يقنت بذلك فى الوتر" (۸۱) کہ مجھے عمر کی کسی ایسی
روایت کا علم نہیں ہے کہ وہ اس دعا کو قنوت وتر میں پڑھتے
تھے۔

۵- معاذ ابو حلیمہ انصاری سے مروی ہے کہ وہ قنوت
میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے تھے۔

اسے روایت کیا ہے قاضی اسماعیل (۸۲) نے اور
علامہ البانی نے کہا: "إسناده صحيح" (۸۳)۔

۵- زبیر بن عدی روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی
قنوت وتر میں یہ دعا پڑھنا مستحب سمجھتے تھے:

"اللهم إنا نستعينك ونستغفرك ونثنى
عليك ولا تكفرك ونخلع ونترك من يفجرك
اللهم إياك نعبد ولك نصلى ونسجد وإليك
نسعى ونحفد نرجو رحمتك ونخشى عذابك
إن عذابك بالكافرين ملحق"

اسے روایت کیا ہے عبدالرزاق (۸۴) نے اور اس
کی سند کے راویان ثقہ ہیں۔

۶- سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ قنوت

وتر میں ان دعاؤں کو پڑھنا مستحب جانتے تھے:
"اللهم إنا نستعينك ونستغفرك، ونثنى عليك
ولا تكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك، اللهم
إياك نعبد ولك نصلى ونسجد، وإليك نسعى
ونحفد، نخشى عذابك ونرجو رحمتك، إن
عذابك بالكفار ملحق، وهذه الكلمات: اللهم
اهدنى فيمن هديت، وعافنى فيمن عافيت،
وتولنى فيمن توليت، وبارك لى فيما أعطيت،
وقنى شر ما قضيت، إنك تقضى ولا يقضى
عليك، لا يذل من واليت تباركت ربنا
وتعاليت، ويدعو بالمعوذتين"

اس کے بعد سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں: "وإن
دعوت بغير هذا أجزاءك، وليس فيه شيء
موقت" کہ اگر تم نے ان کے علاوہ کوئی دعا پڑھی تو وہ بھی
کافی ہے، کیونکہ قنوت کے لیے کوئی مخصوص دعا نہیں
ہے (۸۵)۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قنوت
وتر کی معروف دعا "اللهم اهدنى فيمن هديت..." بھی
پڑھا جاسکتا ہے اور اس میں درود وغیرہ کا اضافہ بھی کیا جاسکتا
ہے مزید یہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھنا یا ان دعاؤں کو
ملا کر پڑھنا بھی جائز ہے۔

البتہ یاد رہے کہ جو بھی دعائیں نبی کریم ﷺ یا صحابہ
کرام وغیرہم سے منقول ہیں وہ مختصر ہیں لہذا قنوت وتر میں
بہت دیر تک لمبی دعائیں کرتے رہنا اور اس کی عادت بنا لینا
سلف صالحین کے عمل کے خلاف ہے۔ ہاں اگر کبھی کبھار لمبی

- دعا کرے اس طرح کہ نمازیوں پر گراں نہ گزرے تو کوئی حرج نہیں ہے (۸۶)۔
- شیخ البانی رحمہ اللہ پہلے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد دعائے قنوت میں کسی اضافے کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن بعد میں آپ نے نبی کریم ﷺ پر درود، کافروں پر لعنت اور مسلمانوں کے لیے دعا کے اضافے کو جائز قرار دیا چنانچہ کہتے ہیں:
- "تم اطلعت علی بعض الآثار الثابتة عن بعض الصحابة، وفيها صلاتهم علی النبی ﷺ فی آخر قنوت الوتر، فقلت بمشروعية ذلك، وسجلته فی "تلخیص صفة الصلاة" (۸۷) "پھر میں کچھ ایسے آثار پر مطلع ہوا جو بعض صحابہ سے ثابت ہیں جن میں قنوت کے آخر میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا اضافہ ہے تو میں اس کی مشروعیت کا قائل ہوا اور اپنی کتاب "تلخیص صفة الصلاة" میں اس کا ذکر کیا۔"
- ایک جگہ فرماتے ہیں: "ولا بأس من الزيادة عليه بلعن الكفرة ومن الصلاة على النبي ﷺ، والدعاء للمسلمين" (۸۸) یعنی: کافروں پر لعنت، نبی ﷺ پر درود اور مسلمانوں کے لیے دعا کی غرض سے دعائے قنوت میں زیادتی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- حواشی:
- (۱) النوادر والزیادات، قیروانی (۱/۱۹۲)۔
- (۲) کتاب الوتر، محمد بن نصر مروزی (ص: ۳۲۱)۔
- (۳) حوالہ مذکور۔
- (۴) بدائع الصنائع، کاسانی (۱/۲۶۵)، نخب الافکار، بدر الدین عینی (۴/۳۶۹)۔
- (۵) بدائع الفوائد، ابن القیم (۴/۱۵۰۲)۔
- (۶) الإیضاف، مرداوی (۴/۱۲۷)۔
- (۷) زاد المعاد، ابن القیم (۱/۳۹۵)۔
- (۸) صحیح ابن خزیمہ (۲۰/۱۵۰)۔
- (۹) مسند طیبی (۲/۴۹۹ رقم ۱۲۷۵)۔
- (۱۰) مسند احمد (۳/۲۵۲ رقم ۱۷۲۷)۔
- (۱۱) الأحاد والمثنائی (۱/۳۰۳ رقم ۴۱۶)۔
- (۱۲) مسند البیرونی (۴/۱۷۵ رقم ۱۳۳۶)۔
- (۱۳) الذریۃ الطاہرۃ (ص: ۸۰ رقم ۱۳۴)۔
- (۱۴) صحیح ابن خزیمہ (۲/۱۵۲ رقم ۱۰۹۶)۔
- (۱۵) صحیح ابن حبان (۲/۵۲۰ رقم ۱۷۹۹)۔
- (۱۶) الخلائیات (۳/۳۵۲ رقم ۲۵۶۴)۔
- (۱۷) سنن الدارمی (۱/۵۱۴ رقم ۱۶۱۵)۔
- (۱۸) مسند ابی یعلیٰ (۱۲/۱۳۱ رقم ۶۷۶۲)۔
- (۱۹) صحیح ابن خزیمہ (۲/۱۵۲ رقم ۱۰۹۶)۔
- (۲۰) الأوسط (۵/۲۱۶ رقم ۲۷۳۹)۔
- (۲۱) الفوائد (ص: ۶۲ رقم ۶۲)۔
- (۲۲) شرح الأصول (۴/۷۱۶ رقم ۱۱۷۵)۔
- (۲۳) الخلائیات (۳/۲۵۲ رقم ۲۵۶۴)۔
- (۲۴) برید بن ابی مریم سلولی بصری، ثقہ ہیں۔ دیکھئے: تقریب التہذیب (۶۵۹)۔
- (۲۵) ربیعہ بن شیمان ابو حوراء سعدی بصری ثقہ ہیں۔ دیکھئے: تقریب التہذیب (۱۹۰۷)۔

- (۲۶) المعجم الکبیر (3/75) رقم 2707۔
 (۲۷) الذریہ الطاہرہ (ص: 80) رقم 135۔
 (۲۸) مستخرج الطوسی - مختصر الاحکام (2/427) رقم 443۔
 (۲۹) معجم ابن الاعرابی (3/1088) رقم 2344۔
 (۳۰) المعجم الکبیر (3/75) رقم 2708۔
 (۳۱) یہ صدوق راوی ہیں۔ دیکھئے: تقریب التہذیب (6495)۔
 (۳۲) ابراہیم بن محمد بن حارث، ابواسحاق فزاری، ثقہ حافظ ہیں۔ دیکھئے: تقریب التہذیب (230)۔
 (۳۳) حسن بن عبداللہ کوفی نخعی، ثقہ فاضل ہیں۔ دیکھئے: تقریب التہذیب (1254)۔
 (۳۴) الدعاء (ص: 236) رقم 745۔
 (۳۵) سنن الترمذی (1/478) رقم 464۔
 (۳۶) إرشاد القاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی (ص: 669) رقم 1101۔
 (۳۷) سنن ابی داؤد (2/63) رقم 1425۔
 (۳۸) سنن النسائی (رقم 1745)۔
 (۳۹) سنن ابن ماجہ (2/252) رقم 1178۔
 (۴۰) مصنف ابن ابی شیبہ (4/511) رقم 7068، 6/313 رقم 31686۔
 (۴۱) الطبقات الکبری (6/364-65)۔
 (۴۲) سنن الدارمی (992) رقم 1634۔
 (۴۳) مسند البزار (4/176) رقم 1337۔
 (۴۴) مسند ابی یعلیٰ (12/136) رقم 6765،
 12/156 رقم 6786۔
 (۴۵) المنشی (ص: 111) رقم 301۔
 (۴۶) صحیح ابن خزیمہ (2/151) رقم 1095۔
 (۴۷) الإوسط (5/214) رقم 2735۔
 (۴۸) المعجم الکبیر (74-73/3) رقم 2701، 2702، 2703، 2705، 2706، الدعاء (ص: 235-234) رقم 736، 737، 739، 740،،،۔
 (۴۹) شرح الاصول (4/717) رقم 1177۔
 (۵۰) الخلی (3/61)۔
 (۵۱) المستدرک (3/188) رقم 4801۔
 (۵۲) سنن کبری (5/334) رقم 4689، (۰۰۰)، الدعوات الکبیر (1/554) رقم 430۔
 (۵۳) الطبقات الکبری (6/365)۔
 (۵۴) الطبقات الکبری (6/366)۔
 (۵۵) مسند احمد (3/245) رقم 1718۔
 (۵۶) کتاب الوتر (ص: 321)۔
 (۵۷) المنشی (ص: 111) رقم 300۔
 (۵۸) صحیح ابن خزیمہ (2/151) رقم 1095۔
 (۵۹) المعجم الکبیر (3/77) رقم 2712۔
 (۶۰) الدعاء (ص: 237) رقم 748۔
 (۶۱) سنن الترمذی (1/478)۔
 (۶۲) الخلیص الحبیر (2/706)۔
 (۶۳) میزان الاعتدال (1/514)، تقریب التہذیب (1264)۔
 (۶۴) تقریب التہذیب (7899)۔

- (۶۵) اطراف الغرائب والافراد (3/6)۔
 (۶۶) تحریر تقریب التہذیب 5242۔
 (۶۷) المعجم الکبیر (3/76) رقم (2709)۔
 (۶۸) مسند احمد (3/250) رقم (1725)۔
 (۶۹) تقریب التہذیب 5756۔
 (۷۰) السنن الکبریٰ (2/297) رقم (3139)۔
 (۷۱) طبقات المدلسین (ص: 43)۔
 (۷۲) مسند البزار (4/177)۔
 (۷۳) صحیح ابن خزیمہ (2/152)۔
 (۷۴) اتحاف المہرۃ، ابن حجر (4/295) اور دیکھئے: البدر
 المنیر (3/634)۔
 (۷۵) التلخیص الخیر (2/706)۔
 (۷۶) الخلی (3/61)۔
 (۷۷) المصنف (4/511) رقم (7069)۔
 (۷۸) صحیح ابن خزیمہ (2/155) رقم (1100)۔
 (۷۹) التعلیق علی صحیح ابن خزیمہ (2/155) رقم (1100)۔
 (۸۰) مصنف عبدالرزاق (3/111) رقم (4969)،
 مسائل الامام احمد روایۃ ابی داؤد (ص: 98) رقم (480)، السنن
 الکبریٰ، بیہقی (4/153) رقم (3186)، ذہبی رحمہ اللہ نے
 کہا: "اسنادہ صحیح" اس کی سند صحیح ہے۔ المہذیب فی اختصار
 السنن الکبیر (2/651)۔
 (۸۱) ارواء الغلیل (2/172)۔
 (۸۲) فضل الصلاۃ علی النبی (ص: 88) رقم (107)۔
 (۸۳) صفۃ صلاۃ النبی - الأصل (3/978)۔
 (۸۴) المصنف (3/121) رقم (4997)۔

☆☆

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
 اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
 جو حرف قتل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
 اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

(علامہ اقبال)

عید الفطر کا پیغام

مولانا محمد اسلم مبارک پوری

مسلمان عید گاہ کے اس مقام پر یکجا ہیں اسی طرح زندگی کے ہر موڑ پر متحد و متفق ہو جائیں تو ان کے مسائل باسانی حل ہو سکتے ہیں اور دوسروں کے سامنے اپنا وزن ثابت کر سکتے ہیں۔ زندگی کے میدان میں انقلاب و ترقی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ اس صورت حال کا ساتھ دینے اور مقابلہ کے میدان میں کامیابی حاصل کرنے کا دار و مدار بھی اسی اتحاد و اتفاق پر ہے۔ زندگی کے متنوع مسائل حل کرنے کے لیے ہمیں مذہب، سیاست، تعلیم اور اقتصاد وغیرہ شعبوں میں متحد اور پیہم کوشش کی ضرورت ہے۔ ورنہ نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوگا۔

وحدت امت کا شعور مسلمانوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں ان کے دینی بھائیوں کے ساتھ پیش آنے والے ظالمانہ برتاؤ پر بے قرار بنائے ہوئے ہے۔ دنیا والے اسے کوئی اور نام دے رہے ہیں لیکن دراصل یہ دینی اخوت و محبت کا تقاضہ ہے اور اسی طرح اسلام نے انسانی اخوت کا نظریہ بھی پیش کیا ہے جسے مسلم حکمرانوں اور عام لوگوں نے عملی شکل دی ہے۔

عید الفطر کا یہ موقع دونوں نوعیت کے رشتوں کو فروغ اور تقویت دینے کا متقاضی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ (الانبیاء: 92)

رمضان المبارک کا یہ مقدس مہینہ عبادت و ریاضت کا

عید الفطر کا دن اس اعتبار سے بیحد اہم ہے کہ آغاز اسلام سے آج تک عید منائی جا رہی ہے۔ تاریخ کا یہ طویل وقفہ اپنے دامن میں عبرت انگیز انقلابات اور نصیحت آموز واقعات کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔ عید کا دن اسلامی اجتماعیت اور اتحاد و اتفاق کا آئینہ دار ہے۔ اتحاد و اتفاق کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے مختلف عبادات میں اجتماعیت کی روح کو برقرار رکھا ہے۔ روزانہ پانچ وقت نمازیں ادا کرنے کے لیے مسلمان ایک مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ایک ہی وقت میں قیام و رکوع، سجدہ و سلام، اسلام کی یک جہتی اور ہم آہنگی کا تاثر دیتا ہے۔ اسی طرح جمعہ کا اجتماع روزمرہ کے اجتماع سے اور عید کا اجتماع جمعہ کے اجتماع سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد حج کے اجتماع کی وسعت اور عظمت تو عدیم المثال ہے۔

عید الفطر کے موقع پر تمام مسلمان عبادت کے لیے عید گاہ میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ سب کی زبانوں پر تکبیر و تحمید، تسبیح و تہلیل کے ایک ہی کلمات جاری ہوتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے مہینہ بھر کے روزے رکھ کر اللہ کے بندے اس کی رحمت و مغفرت کی لو لگائے عید گاہ آتے ہیں۔ اس روح پرور سماں اور پر کیف منظر کو دیکھ کر ہر مسلمان دلی مسرت محسوس کرتا ہے۔ ارباب فکر یہ سوچتے ہیں کہ جس طرح

نے رمضان المبارک کا دل سے احترام کیا۔ اس کے دنوں کو روزوں، تلاوتوں، عبادتوں اور خیر و خیرات سے معمور کیا۔ اور اس کی شبوں کو قیام اللیل، تراویح، ذکر و اذکار اور دعا و مناجات میں صرف کیا۔ ماہ صیام کا قومی اور ملی فائدہ ہی ہے کہ صاحب توفیق مسلمانوں کے دل میں اپنی قوم کے مفلس اور محروم افراد کے لیے عملی ہم دردی کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی لیے صدقہ فطر کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ صدقہ فطر کا مقصد یہ ہے کہ غریب، محتاج اور نادار بھی عید کی خوشی اور مسرت میں شریک ہوں، اور وہ بھی اپنے بال بچوں کے لیے کھانے کا انتظام کر لیں اور انہیں درد کی خاک چھانی نہ پڑے۔ گویا خوشی اور شادمانی کے اس مبارک دن میں کوئی غریب رشتہ دار یا پڑوسی بھوکا نہ رہے، اس لیے عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم ہے۔

اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام نے انخوت و ہمدردی اور اتحاد و تعاون کے مسئلہ کو کتنی اہمیت دی ہے۔ اسناد گداگری کی تحریک دنیا کے مختلف حصوں میں چلتی رہتی ہے، لیکن اس لعنت کو جس طرح اسلام نے ختم کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک طرف دولت مند طبقہ کو مختلف مواقع میں دولت خرچ کرنے کی ترغیب دی تو دوسری طرف غریبوں کو حکم ہے کہ حد درجہ مجبوری کے بغیر ہاتھ نہ پھیلائیں۔ ساتھ ہی جو لوگ فقر کے باوجود سوال نہیں کرتے ان کی تعریف کی گئی ہے۔

اختتام سے پہلے اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اس ملک میں مختلف قوموں کے ساتھ سکونت پذیر ہیں۔ ہمارے تمام اعمال اور جملہ حرکات و سکنات پر ان کی نظر

مہینہ ہے، حصول تقویٰ کا مہینہ ہے، اور یہی عبادت کی غرض و غایت ہے۔ ارشاد بانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ: 21)

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جو تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا خالق ہے تاکہ تم (عبادت کے ذریعہ) تقویٰ حاصل کرو۔

معلوم ہوا کہ اسلامی عبادت کی اصل غرض و غایت حصول تقویٰ ہے، جس کے ذرائع نماز، روزہ، حج زکاۃ کے ساتھ ساتھ تقویٰ، اخلاص، توکل علی اللہ اور صبر و شکر بھی ہیں جن کا تعلق انسان کے قلب سے ہے۔ یہ وہ عبادات ہیں جو اسلام کی روح اور تمام اعمال کا جوہر ہیں۔

تارین کرام! آج ہم عید کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ اس دن خوشی کا اظہار کرنا دینی شعار ہے۔ خوشیاں آتی اور گذر جاتی ہیں مگر سرور و انبساط کے اس ہجوم میں ہم سے مطالبہ ہے کہ اس پہلو پر بھی غور کرنے کی زحمت برداشت کریں کہ ہر دن کی طرح عید کا دن بھی گذر جاتا ہے، لیکن ہمارے مسائل ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ اور ان کو حل کرنے کی ذمہ داری ہمارے دوش ناتواں پر برقرار رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر نئی عید نئے مسائل اور نئے چیلنجز لے کر آتی ہے۔ لہذا عید کے دن کا تقاضا یہ ہے کہ دلوں کی کدورتیں، نفرتیں بھلا کر بلا تفریق ہر کسی سے ملیں۔ اس دن آپسی رنجشوں اور اختلافات کو فراموش کر کے محبت و انخوت اور بھائی چارگی کا پیغام عام کریں۔

عید کی مسرتوں کے حقیقی حق دار وہی لوگ ہیں جنہوں

صدقہ و خیرات کا اہتمام

صدقہ و خیرات کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ ایک آدمی جنگل میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے بادل سے ایک آواز سنی۔

اسق حدیقة فلان.

جا کر فلاں کے باغ کو سیراب کر۔

اس آواز کے بعد بادل کا ایک ٹکڑا الگ ہو گیا اور ایک بنجر زمین میں جا کر برسنا۔ نالوں میں سے ایک نالے نے سارا پانی اپنے اندر جمع کر لیا اور پانی بہنے لگا۔ یہ شخص پانی کے پیچھے چلا۔ آگے جا کر ایک مقام پر دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا اپنے پھاوڑے سے پانی ادھر ادھر کر رہا ہے۔ اس آدمی نے اس باغ والے سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟

اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل سے سنا تھا۔ باغ والے نے کہا: اے اللہ کے بندے! تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ وہ بولا: میں نے ایک آواز سنی، کوئی کہتا ہے کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر دے، تو اس باغ میں اللہ کے احسان کی کیا شکرگزاری کرے گا؟

باغبان نے کہا: اس باغ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ صدقہ و خیرات کروں گا اور ایک تہائی میرے بچے کھائیں گے اور ایک تہائی اس باغ میں خرچ کروں گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الزہد، حدیث: ۵۲۹۹)

ہے۔ عید کے اس عظیم الشان تہوار کو ہمیں اس طرح منانا چاہیے کہ ہم وطنوں کو اسلام کی عظمت کا احساس ہو۔ اس حسین موقع پر ایسی تہذیب اور شائستگی کا مظاہرہ کریں کی تمام دیکھنے والے اعلیٰ کردار سے متاثر ہوں۔ اور انہیں یہ سمجھنے کا موقع فراہم ہو کہ دین اسلام میں مسرت و شادمانی کے لمحات میں بھی سنجیدگی و متانت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اور تہوار منانے والے اس موقع پر بھی اپنے مالک حقیقی کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ہیں۔ عید الفطر کا سنہری موقع ہمیں خوشیوں سے مالا مال کرنے کے ساتھ ساتھ ذمہ داریوں کا ایک بوجھ بھی ہم پر ڈال رہا ہے۔ امید ہے کہ عید منانے والے برادران اسلام ان پہلوؤں پر نظر رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے نیک اعمال اور روزوں کو قبول فرمائے اور اس ماہ مقدس میں جو کمی ہوئی ہے اسے عفو و درگزر کرے اور ہمیں حسن عمل کی توفیق بخشے۔ صحت و تندرستی عطا کرے۔ آمین



عید الفطر کے دن کے اعمال

ذاکر عید الجلیل بسم اللہ مدنی

نے فرمایا: ولتکبروا اللہ علی ما ہدانا کہ (سورۃ البقرۃ: 185) مرد حضرات تکبیر کے کلمات با آواز بلند، اور عورتیں ہلکی آواز سے کہیں گی، تکبیرات عید میں سب سے مشہور تکبیر یہ ہے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا إله إلا الله، واللہ اکبر، اللہ اکبر، واللہ الحمد (مصنف ابن ابی شیبہ: 5679)

3۔ رسول ﷺ نے ہر مستطیع مسلمان مرد و زن، چھوٹے ہوں یا بڑے، غلام ہوں یا آزاد سب پر زکاۃ الفطر میں ایک صاع کھانے کی چیز نکالنا فرض قرار دیا ہے۔ (صحیح بخاری: 1503 صحیح مسلم: 984)

اور یہ روزے دار کے لیے اس سے سرزد ہونے والے لغو ورفٹ سے طہارت کا ذریعہ اور مسکین کے لیے کھانا ہے۔ (صحیح سنن ابی داؤد: 1427) لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے اہل خانہ کی طرف سے زکاۃ الفطر ادا کرے۔ اور اسے اپنے محلے یا گاؤں کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دے۔

4۔ زکاۃ الفطر کی مقدار ایک صاع (یعنی ڈھائی کیلو) کھانے کی چیز ہے۔ جیسے چاول، گیہوں، آٹا، جو، کشمش، کھجور وغیرہ۔ اور اس کے نکالنے کا وقت عید کی رات سے لے کر نماز عید شروع ہونے سے پہلے تک ہے۔ البتہ ایک یا دو دن پہلے بھی نکالا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنا صدقۃ الفطر ایک دن یا دو دن پہلے نکال دیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: 1440)

اسلام دین فطرت ہے۔ انسانی طبیعت کے عین مطابق ہے۔ یہی دین اللہ کے نزدیک مقبول و محبوب ہے۔ اس میں عقائد و احکام، عبادات و معاملات، اور حسن معاشرت کا حسین امتزاج ہے۔ یہ رہبانیت کو ناپسند کرتا ہے اور معاشرتی زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ انسانی فطرت ہی کا لحاظ کرتے ہوئے مذہب اسلام نے مسلمانوں کے لیے سال میں دو دن عید کے لئے مقرر کیا ہے۔ جس میں وہ سب ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ خوشیاں مناتے ہیں۔

پہلی عید: شوال کی پہلی تاریخ کو جسے ہم (عید الفطر) کہتے ہیں۔

دوسری عید: ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو جسے ہم (عید الاضحیٰ) کہتے ہیں۔

عید کے دن کیا کیا کام کرنا چاہیے؟ عید الفطر کیسے منانا چاہیے؟ اس کے لئے ہمارے رسول ﷺ نے کچھ تعلیمات دی ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عید تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا جوان، بیمار ہو یا صحت مند، مسافر ہو یا مقیم، شہری ہو یا دیہاتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا، وَهَذَا عِيدُنَا (صحیح بخاری: 952 صحیح مسلم: 892)

2۔ عید کی رات سے لے کر نماز عید تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل، تسبیح و تحمید خوب خوب کریں۔ اللہ تعالیٰ

- گی۔ (صحیح بخاری: 944، 921، صحیح مسلم: 884)
- 11- عید کی نماز دو رکعت ہے۔ جو خطبہ سے پہلے پڑھنی ہے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد سات بار اللہ اکبر مزید کہیں۔ اس کے بعد دعائے ثنا پڑھیں۔ پھر سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ یا سورۃ ق پڑھیں اور اگر یہ دونوں سورتیں یاد نہ ہوں، تو سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی بھی سورہ پڑھ سکتے ہیں۔
- دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بعد پانچ بار اللہ اکبر کہیں۔ پھر سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الغاشیہ یا سورۃ القمر پڑھیں اور اگر یہ سورتیں یاد نہ ہوں، تو سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی بھی سورہ پڑھ سکتے ہیں۔ (صحیح مسلم: 878، 891، صحیح سنن ابی داؤد: 1043)
- 12- نماز عید کی ادائیگی کے بعد اگر کوئی مرد یا لڑکا خطبہ دے سکتا ہو تو خطبہ دے۔ اور اگر نہیں دے سکتا تو کوئی بات نہیں۔ (صحیح بخاری: 914، صحیح مسلم: 888)
- 13- عید کے بعد ایک دوسرے کو مبارکباد دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے عید کے بعد ملتے۔ اور تَقَبَّلَ اللَّهُ مِنَّا وَمِنْكَ کہتے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ لوگوں کے نیک اعمال کو قبول فرمائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: 3/319)
- 5- اسی طرح جو بچہ اپنے ماں کے پیٹ میں ہے اگر کوئی شخص اس بچے (حمل) کی طرف سے زکاۃ الفطر نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے یہ عمل ثابت ہے۔ (محلّی ابن حزم: 4/254)
- 6- عید کے دن، عید کی نماز سے پہلے غسل کریں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا یہی عمل رہا ہے۔ (موطا امام مالک: 488)
- 7- عید کے دن نیا اور اچھا لباس پہنیں۔ نبی ﷺ اور آپ کے تمام صحابہ اس کا خوب اہتمام کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: 906)
- 8- عید کے دن خوشبو کا استعمال کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس دن خصوصی طور پر خوشبو لگایا کرتے تھے۔ (شرح السنۃ للبخاری: 4/302)
- 9- عید کی نماز سے پہلے چند طاق کھجور کھائیں۔ یا کوئی اور چیز موجود ہو تو اسے کھالیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ جانے سے پہلے ایسا ہی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: 910)
- 10- عید الفطر کی نماز کا وقت سورج طلوع ہونے کے تقریباً آدھا گھنٹہ بعد سے شروع ہوتا ہے اور زوال شمس (سورج ڈھلنے) تک رہتا ہے۔ لہذا تمام لوگ اسے اول وقت میں ادا کرنے کی کوشش کریں۔



نماز عید سے پہلے نہ اذان دینا ہے اور نہ ہی اقامت۔ اور نہ ہی نماز عید کے علاوہ کوئی دوسری نماز پڑھنی ہے، نہ پہلے، اور نہ ہی نماز عید کے بعد۔ اور جو عورتیں ناپاکی (حیض و نفاس) کی حالت میں ہوں، وہ عید کی نماز نہیں پڑھیں

مدارس اسلامیہ: اہمیت و افادیت

محمد محبت اللہ بن محمد سیف الدین الحمدی
سپول، بہار

پھیلائے میں مخالفین کے سر میں سر ملاتے ہیں، اپنوں کا کہنا یہ ہے کہ مدرسوں میں مسلمان بچوں کی ایک بڑی تعداد کو ناکارہ بنایا جا رہا ہے، ان کو ایک اندھیرے مستقبل کی طرف ڈھکیلا جا رہا ہے، مدرسوں کے فارغین کے لئے کام کا کوئی میدان نہیں ہے اور روزی کمانے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ، لیکن اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حصول علم کا مقصد کیا صرف معدے کی دنیا آباد کرنا ہے۔

حقیقت کیا ہے؟ مدرسہ کیا ہے؟ اس کا مقصد و ہدف کیا ہے؟ مدرسہ سے فارغ ہونے والوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ مدرسہ کیا ہے؟

مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلامی کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے، جہاں سے اسلامی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد،

زخم جب غیر دے، چوٹ جب اجنبی سے لگے تو صبر و شکیب کی ہمت ہوتی ہے، لیکن جب ستم اپنوں کے ہوں اور زخم بھی اپنوں کے ہوں تو صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے مدارس پر شک کے کانٹے، مدارس کے نظام، مدارس کے نصاب، مدارس کے طلبہ اور ان کے مستقبل کے سلسلے میں مختلف تبصرے، اندیشے اور تجویزیں سامنے آ رہی ہیں، اندیشوں کی وجہ کچھ تو مدرسوں سے ناواقفیت ہے اور کچھ دینی تعلیم سے بے اعتنائی بلکہ بیزاری ہے، چنانچہ کچھ لوگ مدارس کی تعلیم کو غیر ضروری سمجھ کر اس تعلیم سے وابستہ افراد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، ان میں کچھ اپنے بھی ہیں اور کچھ پرانے بھی۔

غیروں کا تو یہ زعم ہے (جو کہ باطل و مسترد ہے حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں) مدرسے دہشت گردی کے اڈے ہیں، ملک کی سالمیت اور یکجہتی کے لئے بڑا خطرہ ہیں، کردار سازی کے بجائے ہتھیار سازی کا یہاں کام ہوتا ہے، اخلاقی تربیت کے بجائے یہاں فوجی تربیت کا نظم کیا جاتا ہے، غیر مسلموں کے خلاف نفرت کا یہاں بیج بویا جاتا ہے، ملک سے غداری کا سبق یہاں پڑھایا جاتا ہے۔

لیکن افسوس کہ ہم میں سے کچھ سر پھرے بھی ان کا مکمل ساتھ دیتے ہیں اور مدارس کے بارے میں بدگمانی

گے۔

جو لوگ ان مدارس میں دہشت گردی کی بو محسوس کر رہے ہیں ان کی ناک خود بدبودار ہو چکی ہے اور وہ اپنے اندر کی غلاظت ہی اپنی ناک سے سوگھ رہے ہیں۔

مدارس اسلامیہ، امن و محبت اور خدا ترسی کا مرکز بنے ہوئے ہیں اور سچ یہ ہے کہ یہی مدارس ملک میں پھیلی ہوئی بد امنی، اخلاقی انارکی، لوٹ مار، قتل و غارتگری اور غنڈہ گردی کا تریاق ہیں، انھیں مدارس سے ملک کی آبرو باقی ہے، ملک میں روحانیت، خدا ترسی، تقویٰ اور پرہیزگاری کا جو آج تھوڑا بہت سرمایہ باقی ہے وہ انھیں مدارس کی بدولت ہے۔

(بحوالہ مجلہ البلاغ ستمبر 2001، صفحہ نمبر 8)

مدارس کی اہمیت:

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہماری ملی و جماعتی زندگی میں دینی مدارس کی اہمیت غیر معمولی ہے، یہیں سے وہ افراد تیار ہوتے ہیں جن کے ذریعے زندگی میں حرکت و سرگرمی پیدا ہوتی ہے اور مستقبل کے منصوبے تکمیل پذیر ہوتے ہیں، یہیں پر کتاب و سنت کی تعلیم ہوتی ہے اور عقیدہ و عمل کی باریکیاں سمجھائی جاتی ہے، اللہ اور رسول کے حقوق سے واقفیت ہوتی ہے، تہذیب و تمدن اور علم و ثقافت کی تحریک کو سمت سفر ملتی ہے، افراد و جماعت کا ذہن اور سیرت و کردار کی تشکیل ہوتی ہے، انھیں تعلیم گاہوں سے ہماری تاریخ کی وہ عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں، جن پر ملت و جماعت کو فخر ہے اور جن کی دینی و علمی خدمات ہندوستان کی علمی تاریخ کا روشن باب ہیں، ان مدارس کا ملک کی آزادی اور نئی نسل کی تربیت و رہنمائی میں بھی نمایاں حصہ ہے، یہاں کے

کسی کلچر، زبان و ادب سے نہیں کہ اس پر قدامت کا شبہ ہو اور اس کے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے، جو عالمگیر بھی ہے اور زندہ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم اور جدید بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ابدیت اور زندگی کا نمودار حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔

(بحوالہ پاجاسراغ زندگی صفحہ نمبر 90)

مدارس و جامعات سے ملک کی حفاظت، سلامت اور جان و مال عزت و آبرو، عقل و دین و مذہب کی حفاظت و صیانت کی آواز بلند کی جاتی ہے، وہاں تعلیم دی جاتی ہے کہ غریبوں مسکینوں فقیروں فلاشوں کی مدد کرو، خدمت خلق اور اعانت ملہوفین و مستعیشین بلا تفریق مسلم و کافر کا پاٹھ پڑھایا جاتا ہے۔ ان مدارس میں یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ کیسے ایک پرامن شہری کی حیثیت سے زندگی گزارا جائے، کیسے ملک کو گراؤ سے ہر طرح کے حملوں سے محفوظ رکھا جائے۔

مولانا مختار ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: آج ہندو متعصب طبقہ مدارس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ انگریزوں سے ملک کی آزادی کے لئے لڑنے والے مدارس کے علماء اور طلباء نے ہندو دھرم شالوں کو صدیوں پیچھے ڈال دیا ہے اور آج اگر خدا نخواستہ ملک کو کسی قربانی کی ضرورت پڑی تو یہ لاکھوں مدارس سرزمین ہند کو بچانے اور محفوظ رکھنے میں اپنے سلف صالح کے نقش قدم پر چلکر ملک کو بچانے میں سب سے آگے رہیں

دل میں ایک شعلہ کی طرح دکھ رہی ہو، جس کا ایک ایک لمحہ مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر کرب میں گزرا ہو، جس نے نہ مدرسے میں پڑھا ہو اور نہ مدرسے میں پڑھایا ہو، لیکن اس کے باوجود انسانیت کی اس ڈوبتی کشتی کو پار لگانے کے لئے اس کی نگاہ کسی کی طرف اٹھتی ہو تو وہ اپنی تمام خامیوں کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود ”مدرسہ“ ہی ہو، آئیے دیکھتے ہیں، آج سے ستر اسی سال قبل ڈاکٹر محمد اقبال جیسی مغرب و مشرق کے احوال سے واقف اور دونوں نظامہائے حیات کا تجربہ رکھنے والی شخصیت نے ان دینی مدرسوں کو کس امید بھری نظر سے دیکھا تھا، وہ کہتے ہیں: "ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو ان ہی مدرسوں میں پڑھنے دو، کیونکہ اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ اب جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح انڈس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا، اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے اثرات کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

(منقول از، دعوت فکر و نظر صفحہ 149 تا 150)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ نے فرمایا: مسئلہ صرف طلبہ کے مستقبل کے اقتصادی پہلو سے متعلق نہیں ہے کہ اسے محفوظ بنایا جائے، یا انہیں سرکاری عہدوں کے قابل

علماء نے وطن اور عوام کی بے لوث خدمت کا جو معیار قائم کیا ہے آج مفاد پرست دنیا کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے، برصغیر میں اسلام اور اسلامی علوم کی بقاء و تحفظ کے اسباب پر غور کیا جائے تو پہلا نام اسلامی مدارس کا ہی آتا ہے۔

(ہندوستانی مدارس میں عربی اور اسلامیات کی تعلیم تنظیم نو، ضرورت اور امکانات صفحہ نمبر 20)

مدرسہ کا مقصد قیام ہی یہ ہے کہ وہ انسانی سوسائٹی کو درجہ کمال تک پہنچا دے، صحیح تربیت کرے، اچھی تعلیم دے اور سوسائٹی کے افراد کو سوسائٹی کے لئے نافع و مفید بنائے۔

محترم قارئین! ہندوستان جیسے ملکوں میں مدارس و جامعات کی اہمیت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، یہ ملک قوموں اور تہذیبوں کا مرکز ہے، یہاں جو قوم آئی وہ ضم ہو گئی، اگر مدرسوں کا یہ نظام ہمارے بڑوں نے نہ چلایا ہوتا تو شاید اب تک ہم بھی اپنی شناخت کھو چکے ہوتے اور اپنی خصوصیات اور شخصیات سے دستبردار ہو کر یہاں کی تہذیب و ثقافت کو اپنا چکے ہوتے، شاید یہی وجہ ہے کہ یہ مدارس ارباب اقتدار کی نظر میں کانٹا بن کر چھتے ہیں۔

مدرسے کی اہمیت کی گواہی اگر اس شخص کی زبانی ہو جو عصری تعلیم گاہوں کیلئے سرمایہ افتخار ہو، جس کے علم و ادب کے آگے دنیا جھکتی ہو، جس نے مغربی دانشکدوں میں اپنی زندگی کے ساہا سال بتائے ہوں، جس نے مسلمانوں کے عروج و زوال کے صرف داستان ہی نہ سنی ہو بلکہ ان کے آثار کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کیا ہو، جو تاریخ سے نہ صرف واقفیت رکھتا ہو بلکہ تاریخ سے نتائج نکالنے کا ہنر بھی جانتا ہو، زوال کے اسباب پر جسکی نظر ہو، عروج کی تمنا جسکے

ملک میں مدارس کی اہمیت و افادیت میں کیسے اضافے ہوں، بعض اپنوں یا غیروں کو جو زعم ہو چلا، جو بدظنی ہو گئی ہے ان کو کیسے دور کیا جائے، دعوت و تبلیغ کے مہم کو کیسے وسیع پیمانے پر پھیلا یا جائے۔

بعض مدارس کو بہر حال اپ ٹو ڈیٹ کرنے کی بھی ضرورت ہے، حالات کی تبدیلی اور وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں دین کی حفاظت کے طریقہ کو بہتر اور دین و دعوت کے اسلوب کو موثر بنانے کے لئے نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے اور نئے سے نئے اور بہتر سے بہتر وسائل کا استعمال کرنا ہوگا، لیکن یہ خیال رکھتے ہوئے کہ نصاب میں اضافہ اور طریقہ کار کی یہ تبدیلی مدارس کے مزاج، ان کی روح اور ان کے مقاصد سے پوری طرح ہم آہنگ ہو اور مقصد کی تکمیل میں معاون و مددگار ثابت ہو، اس سلسلہ میں ہمیں رائج زبانوں، وقت کے تقاضوں اور معاشرہ کی ضرورتوں سے بھی واقف ہونے کی ضرورت ہے، ابلاغ و ترسیل کے نئے ذرائع کے استعمال کی ضرورت ہے، کردار کو اس طرح اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا کردار، ہماری عادات و اطوار، ہمارے مقاصد میں حائل نہ ہو سکیں، چنانچہ ہمیں اپنے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اور اپنی مذہبی و ملی ذمہ داریوں کا پورا خیال رکھتے ہوئے تبدیلیوں پر غور کرنا چاہئے۔

ورنہ خطرہ اس بات کا ہے کہ مدارس اپنی افادیت کھو بیٹھیں، اور اس کے فائدے اپنی ضرورت تو پوری کرنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اپنے مذہب اور اپنی قوم کی ضروریات پوری کرنے کے لائق نہ رہیں، شاید اسی خطرہ

بنایا جائے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑا اور قابل توجہ ہے، یعنی مسلمانوں کی دین اور ان کی تہذیب و تمدن کی حفاظت، اسلامی اصولوں اور اللہ پر ایمان لانے والوں کے لیے یہ موت و حیات کا مسئلہ ہے، اسلام کی بقاء کتاب و سنت کے سمجھنے پر مبنی ہے اور یہ فہم عربی زبان اور ان علوم کی تعلیم ہی سے ممکن ہے جو شرعی مقاصد کی معرفت اور احکام کے مستنبط کے ذرائع ہیں اور یہ بات انھیں دینی عربی مدارس ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، جو فی الواقع دین کے قلعے ہیں، مسلمانوں کی زندگی اور ان کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے، یہاں قرآن و سنت اور دیگر معاون علوم سکھائے جاتے ہیں، اور ان کے نکلے ہوئے افراد لوگوں کے اندر دینی شعور اور اسپرٹ پیدا کرتے ہیں، انھیں مدارس کے علماء گمراہ فرقوں، باطل نظریات اور غلط مقاصد والے لوگوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور لوگوں کے ذہن و دماغ کو ان تباہ کن خیالات و افکار سے محفوظ رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو بلند اقدار اور اخلاقی اصولوں پر فخر اور جماعت کی تعمیر کرتے ہیں، حق و انصاف کے راستے میں قربانی پیش کرنا، خدا سے تعلق استوار کرنا اور صلاح و تقویٰ کے اعمال کی اشاعت لوگوں کو سکھلاتے ہیں، انھیں کی مساعی جمیلہ سے مادہ پرستی اور دنیا داری سے لوگوں کے دلوں کو محفوظ کیا جاتا ہے۔

(بحوالہ: ہندوستانی مدارس میں عربی اور اسلامیات کی تعلیم تنظیم نو، ضرورت اور امکانات صفحہ نمبر 43)

محترم قارئین! مدرسہ ملت اسلامیہ کی روح ہے، معاشرہ و سماج کی اصلاح ملک و وطن کی تعمیر و ترقی میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، ہندوستان جیسے وسیع و عریض

صحیح ڈھنگ سے کرتے رہیں، کافی ہے، دیگر میدانوں کو ان کے اہل کے لئے چھوڑ دیں۔ البتہ عصری علماء کو دینی، شرعی علم نہ ہوتوان کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائیگی۔

مگر آج جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ زیادہ تر اٹلی سمت میں چل رہی ہیں۔ ہمارے دینی ادارے تو عصری کے چکر میں پریشان ہیں۔ مگر عصری ادارے دینی تعلیم کے معاملے میں تقریباً صفر۔ اس جانب اصل محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا دینی اداروں کو کمرشیل بنانے کے لئے یہ شوشہ چھوڑتے ہیں اور آخر میں تجارت تو کچھ ہو ہی جاتی ہے، مگر طلباء کہیں کے نہیں رہتے۔

محترم قارئین! مسلمانوں کے لیے یہ بات قطعی قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ ان کی زندگی مذہب سے بے تعلق کر دی جائے، جس طرح یورپ و امریکہ میں اور ان کے ماننے والوں میں کر دیا گیا ہے اور انسان کو صرف مادی مصلحت کے اندر محدود کر دیا جائے، اس کا تجربہ خود مغرب میں اخلاقی و انسانی احساسات و جذبات میں خود غرضانہ اور زندگی کے ہر معاملہ میں خالص مادی نقطہ نظر کے پھیل جانے میں دیکھا جا سکتا ہے، جس کے خراب نتائج خود وہاں بھی محسوس کئے جانے لگے ہیں اور ساری دنیا بھی ان کے اثرات کو دیکھ رہی ہے اور پریشان ہے، ہمارے یہ ادارے یہ مراکز، جامعات و معابد جن کو ممتاز علماء دین اور دین و ملت کی صحیح فکر رکھنے والے مسلم دانشوروں نے قائم کیا ہے اور چلا رہے ہیں اور ان سے دین اسلام کی حفاظت انجام پا رہی ہے، ان کو مسلمانوں کے بدخواہوں کی طرف سے بار بار چیلنج کیا جا رہا ہے، اگر ہم اس چیلنج کے خطرہ کو نہیں سمجھ سکیں گے تو ہم بحیثیت مسلمان کے

کو محسوس کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام قدوائی نے اسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”عربی مدارس کے قیام کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ یہاں دین و ملت کے ایسے سپاہی تیار کیئے جائیں جو ہر حال میں اسلام کی حفاظت کر سکیں اور الحاد و بے دینی کے بڑھتے سیلاب کو روک سکیں، آغاز کار کے وقت ان درسگاہوں نے اس زمانے کے حالات کے مطابق مفید و موثر لائحہ عمل تیار کیا تھا اور نصاب و نظام تعلیم کے ایسے خاکے بنائے تھے جو اس وقت کی ضرورت کے مطابق تھے، جب تک وہ فضا قائم رہی یہ نظام تعلیم مفید و کارگر ثابت ہوا، لیکن اب جبکہ عرصہ سے حالات بدل چکے ہیں تو ضرورت ہے کہ ہماری درسگاہوں میں انقلاب ہو، زمانے کی نئی ضرورتوں کے مطابق پھر سے نصاب تعلیم مرتب ہو اور تعلیم و تربیت کے ایسے اسلوب اختیار کیئے جائیں، جو طلبہ کو وقت کی ضرورتوں کے مطابق زندگی کے نئے میدانوں کے لئے تیار ہو سکیں، قوم کی باگیں ان کے ہاتھ میں ہوں گی اور یہی کشتی ملت کے ناخدا ہوں گے۔“

(منقول از، دعوت فکر و نظر صفحہ نمبر 154 تا 155)

محترم قارئین! لیکن دینی و عصری کے چکر میں کہیں تعلیمی مافیاں نہ پھیل جائے اس پر بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے، بعض لوگوں کا مشغلہ ہے کہ ہمیشہ دینی و مذہبی علماء کو کوستے رہتے ہیں اور استخفاف و استحقار اتنے کہ مزاحیہ مضامین تحریر کرتے ہیں کارٹون اور فنی ویڈیوز بناتے ہیں، یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے، دینی علماء کو عصری علوم کی جانکاری نہ ہو تو کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوگا۔ وہ اپنا کام

میں، کہیں سیاسی و سماجی میدان میں، ایسے ایسے فتنے کھڑے کئے جا رہے ہیں کہ اگر ان کے مقابلہ کیلئے راسخ و مخلص اہل علم و اعلیٰ صلاحیت کے علماء و فضلاء و دکاترہ تیار کرنے کا کام نہ کیا گیا تو یہ ایک تنگ و تاریک سرنگ میں دھکیلنے اور دین منہج کو مٹانے کی ایک کامیاب سازش ہوگی، اللہ امت اسلامیہ کی حفاظت فرمائے، مدارس و جامعات کو ہر طرح کے شرف و فتن اور حاسد و باغض و ماکر سے بچائے اور ہم سبھی کو دین پر مضبوطی سے قائم و دائم رہنے کی سعادت نصیب فرمائے، وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆

قرآن پڑھنے کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قرآن کریم پڑھنے میں ماہر ہے تو وہ قیامت کے دن بزرگ، نیکو کار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کے پڑھنے میں اسے مشقت ہوتی ہے تو اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔

(متفق علیہ)

ختم ہو جائیں گے اور مغربی قوموں کی صفوں میں ایک ذیلی قوم بن کر رہ جائیں گے اسلئے ضرورت ہے کہ ہماری ان درسگاہوں کو جو مسلمانوں کی زندگیوں میں دین سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے اپنی وابستگی کو قائم رکھنے کے لئے پاؤں کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں، اہمیت کی نظر سے دیکھا جائے۔

چلتے چلتے مدارس پر کئے گئے ایک نامناسب تبصرہ پر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جنرل ضمیر الدین شاہ کا جواب بھی سنئے!

”مدارس ملک میں تعلیم کا سب سے بڑا نیٹ ورک ہیں اور سماج کے محروم اور پسماندہ طبقات کے تعلیمی فروغ میں مدارس نے اہم خدمات انجام دی ہیں، انھوں نے کہا! کہ مدارس کے اساتذہ اور طلباء نے ہمیشہ بلند کردار اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ ہمیشہ کسی بھی قسم کے اسکینڈل سے دور رہے ہیں اور اس تناظر میں ان کے خلاف کسی بھی قسم کی الزام تراشی غیر اخلاقی و نامناسب ہے“

(منقول از، دعوت فکر و نظر صفحہ نمبر 155)

معزز قارئین! اس وقت مسلم ائمہ کو مختلف چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں سب سے بڑا مسئلہ مسلمان کے دین و عقائد و منہج کا ہے، مسلمانوں کے لئے موجودہ دور مختلف قسم کی اہمیتوں اور تقاضوں کا دور بن گیا ہے، فی الوقت عالمی پیمانہ پر اس امت اسلامیہ کو بے اثر بلکہ بے نام و نشان کر دینے کی کوشش ہو رہی ہے، جگہ جگہ ان کے بقاء اور دین کے ساتھ ان کے تعلق کو ختم کر دینے کی سازشیں چل رہی ہیں، کہیں علمی و فکری میدان میں، کہیں تمدنی و تاریخی میدان

رمضان المبارک کے خصوصی اعمال و حسنات

عبدالرحمن بن محمد ایوب سلفی
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

دنوں میں قیام اللیل ایک اہم عبادت ہے اور یہ مومن کی خاص صفت ہے ارشاد ربانی ہے: وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا. (الفرقان: ۶۴) ان کی راتیں اپنے رب کے سامنے قیام و سجدہ میں گزرتی ہیں۔

قیام رمضان کو ہمارے رسول ﷺ نے خصوصی اہمیت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (متفق علیہ) جس نے رمضان کی راتوں میں قیام کیا ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ہم مسلمانوں کو رمضان المبارک کی راتوں میں بطور خاص قیام اللیل کا اہتمام کرنا چاہیے بہت سارے مسلمان قیام اللیل اور تراویح کو نفل سمجھ کر اس کی ادائیگی میں سستی برتتے ہیں اور بہت سارے خیرات و حسنات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ راتوں میں قیام کرنا ہمارے نبی ﷺ کا معمول تھا۔ صحابہ کرام تابعین عظام ائمہ ہدیٰ ائمہ و صلحاء ہر دور میں اس کا اہتمام کئے ہیں۔ یہ ایک مومن کی پہچان ہے اور اپنے رب سے قربت بڑھانے کا سب سے مؤثر و مضبوط ذریعہ ہے۔ لہذا اس عمل خیر سے ہمیں کبھی بھی پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔

صدقہ و خیرات: رمضان المبارک کی خصوصی

رمضان المبارک نیکیوں اور خیر و بھلائی کا مہینہ ہے اس مہینے کی فضیلت میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں اور اس مہینے کے کچھ خاص اعمال ہیں ان کو انجام دیکر ہم خیر و صلاح پا سکتے ہیں۔ ان کا اہتمام کر کے ہم اپنے درجات کو بلند کر سکتے ہیں ذیل میں ہم رمضان کے چند اہم اعمال ذکر کر رہے ہیں۔

روزہ: رمضان کی عبادات و اعمال حسنہ میں سب سے اہم عبادت روزہ ہے یہ رمضان کی فرض عبادت ہے ارشاد ربانی ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ. (البقرہ: ۱۸۵) جو اس مہینے میں حاضر ہو اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے ارشاد نبوی ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (متفق علیہ) جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ہر عاقل بالغ صحت مند مرد و عورت کے اوپر روزہ فرض ہے کسی بھی شرعی عذر کے بغیر ترک روزہ جائز نہیں ہے۔ رمضان المبارک کے اندر ہر مسلمان کو روزہ رکھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

قیام اللیل: رمضان المبارک کی خصوصی عبادت میں قیام اللیل (تراویح) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عام

تلاوت قرآن: رمضان قرآن کا مہینہ ہے اس لیے کہ اسی مہینے میں قرآن کریم کا نزول ہوا اس مہینے میں ہمارے نبی ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور فرمایا کرتے تھے، صحابہ تابعین اتباع تابعین امہ و صالحین ہر دور میں رمضان المبارک کے اندر تلاوت قرآن کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں اسی بنیاد پر پوری دنیا میں رمضان المبارک کے اندر تراویح کی نماز میں کم از کم ایک بار پورا قرآن ختم کرنے کا رواج عام ہے۔ ہم مسلمانوں کا اس مہینے میں قرآن کریم سے خصوصی لگاؤ ہونا چاہئے، ہم اپنا وقت تلاوت قرآن، قرآن کریم کے معانی و مطالب کو سمجھنے اور قرآن پر تدبر و تفکر کرنے میں گزاریں تاکہ ہمارے میزان حسنات میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ ہو سکے۔

روزہ افطار کرانا: عام دنوں میں بھوکوں کو کھانا کھلانا پیاسوں کو پانی پلانا اور پریشان حال کی مدد کرنا تقرب الہی کا ذریعہ ہے، رمضان المبارک کے اندر ان اعمال حسنہ کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے ہمارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: من فطر صائماً کان له مثل اجرہ غیر أنہ لا ینقص من اجر الصائم شیئاً (ترمذی ۸۰۷)

بہت سارے روزے دار دن بھر روزہ رکھتے ہیں لیکن روزہ افطار کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی۔ وہ افطار کا اہتمام نہیں کر پاتے ہیں اہل خیر اور اہل ثروت حضرات کو ایسے لوگوں کو اپنی نظر میں رکھنا چاہئے اور ان کے لئے افطار کا خصوصی اہتمام کر کے انکی خوشی کا ذریعہ بننا چاہئے۔

رمضان المبارک میں عمرہ کرنا: عمرہ کرنا ایک افضل

عبادات میں صدقہ و خیرات انفاق فی سبیل اللہ اور فقراء و مساکین کی خبر گیری انکی مدد کرنے اور ان کے ساتھ احسان و حسن سلوک کرنے کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہمارے رسول ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ أجود الناس بالخير و کان أجود ما یكون فی شهر رمضان حین یلقاه جبرئیل و کان جبریل یلقاه فی کل لیلة من رمضان فیدارسه القرآن فلرسول اللہ حین یلقاه جبریل أجود بالخير من الريح المرسله۔ (متفق علیہ) رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب حضرت جبرئیل آ کر آپ سے ملتے تو آپ بہت زیادہ سخاوت کرنے والے ہو جاتے اور جبرئیل ہر رات میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور آپ سے قرآن کا دور کرتے تھے پس یقیناً اللہ کے رسول ﷺ جب جبرئیل آپ سے ملتے بھلائی میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔

اس حدیث رسول ﷺ سے رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک کے اندر بے انتہا سخاوت و فیاضی کا ثبوت ملتا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رمضان میں عام دنوں سے زیادہ سخاوت و فیاضی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ سخاوت و فیاضی کا اہتمام ہم کسی طرح سے کر سکتے ہیں، غریبوں و مسکینوں کو کھانا کھلا کر یتیموں اور یتیموں کی خبر گیری کر کے، معذوروں اور بے کسوں کا سہارا بن کر، دینی اور دعوتی ادارے اور مدارس اسلامیہ کا تعاون کر کے کر سکتے ہیں۔

عمرہ حج کے برابر ہے میں کہتا ہوں عمرہ کے حج کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حج کو عمرہ پر اس لیے برتری حاصل ہے کہ وہ شعائر اللہ کی تعظیم اور لوگوں کا اجتماعی طور پر اللہ کی رحمت کے نزول طلب کرنے کے لیے اکٹھا ہونے کے درمیان جامع ہے لیکن عمرہ میں صرف ایک بات یعنی شعائر اللہ کی تعظیم پائی جاتی ہے اور رمضان کا عمرہ وہی کام کرتا ہے جو حج کرتا ہے پس بے شک رمضان نیوکاروں کے انوار کے ایک دوسرے پر پلٹنے کا اور روحانیت کے نزول کا وقت ہے (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۵۷)

عشرہ اخیرہ اور لیلة القدر: رمضان کے آخری عشرے کی خاص فضیلت ہے اسی آخری عشرے میں لیلة القدر بھی ہے جس کو ہزار مہینوں کی رات سے افضل قرار دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے: لیلة القدر خیر من ألف شہور (القدر: ۳) شب قدر ایک ہزار مہینوں کی رات سے بہتر ہے یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے ایک ہزار مہینے ۸۳ سال ۴ مہینے بنتے ہیں یہ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے نبی کریم ﷺ نے اس ایک رات کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا: من قام لیلة القدر ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه. (بخاری ۲۰۱۴) جس نے شب قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو لیلة القدر تلاش کرنے کی خاص تاکید فرمائی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تحروا لیلة

عمل ہے، تقرب الہی کا ذریعہ ہے، بیت اللہ اور مسجد حرام کی خاص زیارت اور اسلام کا ایک اہم شعار ہے۔ اس کے کرنے کا کوئی خاص وقت نہیں ہے آدمی سال بھر عمرہ کر سکتا ہے۔ لیکن رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی ایک عورت سے فرمایا (ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی عطا کہتے ہیں کہ ابن عباس نے اس عورت کا نام بھی لیا مگر میں بھول گیا) کہ کیوں تم ہمارے ساتھ حج کو نہیں چلتی تو اس عورت نے عرض کیا کہ ہمارے پاس پانی لانے کے لیے دوہی اونٹ تھے ایک پر میرا شوہر اور میرا بیٹا حج کے لئے گیا اور ایک اونٹ ہمارے لیے چھوڑ گیا کہ اس پر ہم پانی لاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا جاء رمضان فاعتمری فإن عمرة فیہ تعدل حجة" (متفق علیہ) جب رمضان آئے تو ایک عمرہ کر لینا رمضان کے اندر عمرہ کرنے کا ثواب حج کے برابر ہے۔

اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان المبارک کے اندر عمرہ کرنے کی اہمیت واضح ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کوئی رمضان میں عمرہ کر لے تو اس سے حج کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ فریضہ حج عمرہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتا بس یہ ایک فضیلت ہے اس فضیلت کو سامنے رکھ کر ہمیں رمضان میں بطور خاص عمرہ کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے کے راز کو کچھ یوں بیان فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک رمضان میں

تھے رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتے ہی ہر قسم کے دنیاوی معمولات و تعلقات ختم کر کے مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ رہنے اور عبادت و بندگی الہی میں مشغول ہو جانے کا نام اعتکاف ہے اس کا آغاز ۲۰ رمضان المبارک کی شام سے ہوتا ہے معتکف مغرب سے پہلے مسجد میں آ جائے اور صبح فجر کی نماز پڑھ کر جائے اعتکاف میں داخل ہو جائے۔

اعتکاف ایک اہم مسنون عبادت ہے ہم مسلمانوں کو اس کا بھی خاص اہتمام کرنا چاہیے اعتکاف کرنے والے شخص کو اعتکاف کے لئے جامع مسجد کا انتخاب کرنا چاہیے بلا ضرورت اس کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے عید مبارک کا چاند نکلنے کے بعد وہ مسجد سے باہر آئے گا۔

رمضان المبارک کی یہ چند خاص عبادات ہیں جنہیں انجام دینے کے لئے ہمیں کمر کس لینا چاہیے اسی میں ہمارے لئے بھلائی ہے اور یہی تقرب الہی اور انوار و برکات سمیٹنے کا بہترین ذریعہ ہے اللہ ہمیں اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ عبادت و بندگی میں گزارنے کی توفیق دے آمین

☆☆☆

القدر فی الوتر من العشر الأواخر من رمضان (بخاری: ۲۰۱) لیلة القدر تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان طاق راتوں میں جاگ کر قیام و ذکر و عبادت، تلاوت قرآن اور دعاء و مناجات اور توبہ و استغفار میں مشغول رہ کر لیلة القدر کی فضیلت پانے کی کوشش کی جائے اس لیے کہ ان پانچ طاق راتوں میں سے کوئی نہ کوئی رات لیلة القدر ہے اللہ کے رسول ﷺ پورے عشرے میں شب بیداری اہل و عیال کو بیدار کرنے اور خود بھی ان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہ کر عبادت کا خاص اہتمام کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا دخل العشر أحیا اللیل و ایقظ اہله وجد و شد المئزر (صحیح مسلم: ۱۱۶۷) جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ رات کو بیدار رہتے اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور عبادت میں خوب محنت کرتے اور کمر کس لیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتهد فی العشر الأواخر ما لا یجتهد فی غیرہ (صحیح مسلم ۱۱۷۵) رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں جتنی محنت کرتے تھے اور دنوں میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے۔ ان تمام حدیثوں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ہم مسلمانوں کو رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کثرت سے توبہ و استغفار اور دعا و مناجات میں مشغول رہنا چاہیے۔

اعتکاف: رمضان کی عبادات میں اعتکاف ایک خاص عبادت ہے نبی ﷺ اس کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے

ہر دل عزیز شخصیت، محبوب استاد: ماسٹر احمد حسین بستوی

طارق اسعد

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

زیب تن کرتے، پاجامہ عموما چوڑا ہوتا تھا، گہرا رنگ، سر پر سفید ٹوپی، کبھی تو لمبی گاندھی ٹوپی ہوا کرتی اور کبھی کبھار گول ٹوپی لگاتے، میں نے کبھی سفید لباس کے علاوہ کوئی اور لباس پہننے نہیں دیکھا، سخت سردیوں میں صرف ایک شال سر سے اوڑھ لیتے جس سے جیکٹ اور مفلر دونوں کا کام لیتے تھے۔ کبھی ننگے سر یا لنگی میں جامعہ کے احاطے میں نہیں دکھے، البتہ بسا اوقات جب مجھے ہاسٹل جانے کا موقع ملتا بالخصوص جاڑے کے دنوں میں تو مرحوم کمرے کے باہر دھوپ سینکتے نظر آتے اس وقت لنگی میں ملبوس اور بغیر ٹوپی کے ہوتے، یہ تھی ہمارے ممدوح و محبوب استاد جناب ماسٹر احمد حسین کی شخصیت جنہیں اب مرحوم لکھتے ہوئے کیجہ منہ کو آ رہا ہے۔

ماسٹر صاحب کا حلیہ ایسا تھا کہ جنہیں دیکھ کر عوام انہیں مولوی گمان کرتے کیوں کہ عام طور سے مدارس میں عصری علوم کے اساتذہ کا حلیہ شرعی علوم کے مدرسین سے قدرے مختلف ہوا کرتا ہے، ماسٹر صاحب واحد (انگریزی/ہندی) کے استاد تھے جنہیں طلبہ "سر" کے بجائے "شیخ" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے، میرے خیال سے یہ ان کی ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے تھا، مرحوم کا جیسا ظاہر تھا ویسا ہی اخلاق بھی تھا، صاف ستھری طبیعت کے مالک، خوش مزاج

ماسٹر احمد حسین بستوی جامعہ سلفیہ بنارس کے ان اساتذہ میں سے تھے جنہیں جامعہ سلفیہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا، افسوس کہ ۱۸ فروری ۲۰۲۳ء کو آپ نے حیات مستعار کے مقررہ ایام کاٹ کر داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

موت کہتے ہیں جس کو اے ساغر
زندگی کی کوئی کڑی ہو گی

ماسٹر صاحب کو پہلے پہل اس وقت دیکھا تھا جب میں جامعہ سلفیہ کے شعبہ حفظ میں زیر تعلیم تھا، میرے حفظ کے استاد حافظ عبدالکلیم فیضی رحمہ اللہ سے ماسٹر صاحب کا گہرا باراندہ تھا اور اکثر و بیشتر وہ درس گاہ میں تشریف لاتے اور استاد محترم کے پاس بیٹھا کرتے تھے، حافظ صاحب مرحوم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کم از کم چار طلبہ کو اپنے سامنے بٹھاتے اور ان کے اسباق بیک وقت سنا کرتے تھے، کیا مجال کہ کوئی طالب علم ان کی نظر و سماعت کو دھوکا دیتے ہوئے آگے نکل جائے، جب ماسٹر صاحب حفظ کی درس گاہ میں آتے اور استاد محترم کے بغل میں بیٹھتے تو خود بھی بغور طلبہ کی تلاوت سنا کرتے تھے، یہیں سے پتہ چلا کہ یہ ماسٹر احمد حسین صاحب ہیں۔

لبا اونچا قد، بھاری بھر کم جسم، ستواں ناک، کشادہ پیشانی، لمبی گھنی داڑھی، تراشیدہ مونچھیں، سفید کرتا پا جامہ

مرحوم سے میں نے عربی سال اول تا سال پنجم (2006-2011) ہندی، انگریزی اور جغرافیہ جیسے مضامین پڑھے، ان کے طرز تدریس کی سب سے خاص بات یہ تھی کہ وہ طلبہ کے تمام سوالات کو بڑی واضح مثالوں سے سمجھاتے تھے، کسی طالب علم نے کوئی سوال کیا تو موصوف کہتے کھڑے ہو جائیے، اور جتنی دیر میں طالب علم کھڑا ہوتا اتنی دیر میں وہ کوئی مثال تیار کر لیتے اور طالب علم کو تشفی بخش جواب دیتے، ایک مرتبہ کوئی طالب علم ان کی گھنٹی میں کسی دوسرے مضمون کی کتاب پڑھ رہا تھا، مرحوم نے دیکھا تو اسے کھڑے ہونے کو کہا اور فرمایا "دیکھیے، درود پڑھنا بہت ثواب کا کام ہے، لیکن اگر نماز کھڑی ہو چکی ہو اور آپ اس وقت درود پڑھنا شروع کر دیں تو پھر یہ درست نہیں ہوگا۔" ایک مرتبہ کسی امر کی تشریح کرتے ہوئے کہنے لگے کہ "نہرو کا پیر ٹیڈنٹم ہوا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پنڈت نہرو ابھی پچھلی گھنٹی پڑھا کر گئے ہیں۔" عربی سال اول و دوم میں ماسٹر صاحب سے ہم نے آخری گھنٹیوں میں پڑھا تھا، عموماً 12 بج کر 40 منٹ پر چھٹی کی گھنٹی لگتی تھی، مگر مرحوم کبھی کبھار وقت سے پانچ سات منٹ پہلے چھٹی دے دیتے تھے اور وہ بھی بڑے دل چسپ طریقے سے، فرماتے کہ جو کوئی تین الفاظ کے معانی بتا دے گا وہ جاسکتا ہے، پھر مزید آفر دیتے کہ اگر کوئی 5 الفاظ کے معانی بتا دے گا تو وہ اپنے ساتھ ایک طالب علم کو مزید لے جاسکتا ہے۔ کچھ اس طرح سے ان کا تدریسی طریقہ کار رہا کرتا تھا، البتہ انگریزی کے مضمون میں وہ مفہومی ترجمہ پر دھیان دیا کرتے تھے، طالب علم جملہ عبارت پڑھتا تو استاد اس کا مفہوم بتاتے

اور ہنس مکھ، شاہد دہلوی نے خواجہ حسن نظامی کا جو خاکہ رقم کیا ہے مجھے اس میں مرحوم کی جھلک نظر آتی ہے "خاموشی میں پہاڑ کا سکوت ہوتا اور گفتگو میں دریا کی سی روانی، خوش گفتار ایسے کہ بات کرتے ہیں منہ سے پھول جھڑتے، سننے والے دھیان کا دامن پھیلا کر انمول پھولوں سے اپنے من کی جھولیاں بھر لیتے، سنجیدگی اور بردباری کے چنور ان کے چہرے پر ہوتے رہتے، کوئی خوش مذاقی کی بات بھی کرتے تو خندہ دندان نما سے آگے نہ بڑھتے، بڑوں میں بڑوں کی سی باتیں کرتے اور بچوں میں بچوں کی سی۔" (گنجینہ گوہراز شاہد احمد دہلوی، ص 65)

ماسٹر صاحب ایک بااخلاق اور دینی مزاج کے حامل شخص تھے، نمازوں میں کبھی سستی برتتے نہیں دیکھے گئے، کوئی طالب علم خواہ وہ کتنے ہی نچلے کلاس کا ہو خود بڑھ کر سلام کرتے، کئی بار ایسا ہوتا کہ مرحوم دور سے نظر آتے اور ہم طلبہ اب مستعد ہو جاتے کہ جیسے ہی قریب آئیں گے ہم سلام کریں گے، مگر مجال ہے کہ ماسٹر صاحب کسی طالب علم کو اس کا موقع دے دیں، ہم قریب پہنچنے کا انتظار کرتے اور موصوف دور ہی سے سلام میں پہل کر دیتے۔ بڑی نرالی طبیعت پائی تھی، طلبہ کے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ رویہ رکھتے، ڈانٹ ڈپٹ، غصہ، ناراضگی، دھمکی، جیسی چیزوں سے بچا کر رہتے، عموماً غصہ نہیں ہوتے ایک آدھ مرتبہ میں نے ان کا غصہ دیکھا اور یوں کہیے کہ دیکھ کر لرز گیا، مگر یہ شاذ و نادر واقعات تھے۔

وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے گئے تو تری بزم خیال سے بھی گئے

- روزے دار کے لیے کچھ ضروری آداب
- روزے دار تمام قولی و فعلی عبادات خصوصاً بیخ وقتہ نمازیں باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا التزام کرے۔
 - روزے دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ تمام چیزوں سے کلی اجتناب کرے۔
 - روزے دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیبت و چغلی وغیرہ سے بچے۔
 - لہو و لعب کے تمام سامان خصوصاً سریلی آواز اور محرک شہوات گانوں سے روزے دار کے لیے اجتناب کرنا ضروری ہے۔
 - جھگڑا، گالی گلوچ، شور و شغب اور منکرات سے اجتناب ضروری ہے۔
 - غروب آفتاب کا یقین ہوتے ہی افطار میں جلدی کرنا چاہیے۔ سنت یہی ہے۔
 - قرآن کی تلاوت، ذکر و اذکار اور توبہ و استغفار میں زیادہ تر مشغول رہنا چاہیے۔
- تھے، جب کہ مجھے اس وقت سے محسوس ہوتا تھا کہ اس مرحلے میں لفظی ترجمہ زیادہ بہتر اور مفید ہوتا، بہر کیف یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے ماسٹر صاحب کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔
- ماسٹر صاحب بڑی محنت سے پڑھاتے تھے، درس گاہ میں ہمیشہ وقت مقررہ پر پہنچ جاتے، تاخیر بالکل نہیں کرتے، بہت کم ہی غیر حاضر ہوتے، کلاس میں موجود تمام طلبہ کی درسی و غیر درسی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھتے اور ہر طالب علم سے سوال و جواب کرتے، اور طلبہ کے سوالوں کا تشفی بخش جواب دیتے، ان کی زبان بھی بڑی شستہ اور رواں تھی، اردو الفاظ اور محاوروں کو خوب سلیقے سے استعمال کرتے، ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ چننے اور بڑی عمدگی سے صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرتے، کل ملا کر ایک بہترین استاد، ایک اچھے انسان اور باکمال شخص تھے۔ مشفق خواجہ نے لکھا ہے :
- "مرحومین کو یاد رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کا ذکر اسی طرح کرتے رہیں جس طرح ان کی زندگی میں کرتے تھے تاکہ وہ ہمیں اپنے آس پاس چلتے پھرتے نظر آتے رہیں۔" (سخن در سخن مرتبہ مظفر علی سید، ص: ۸)

اخبار جامعہ

مولانا ابوصالح دل محمد سلفی

سالانہ تقریری مقابلہ کا انعقاد:

حسب روایت جامعہ سلفیہ بنارس کے طلبہ کی خواہیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے، پوشیدہ قابلیتوں کو اجاگر کرنے اور علمی دنیا میں ان کے اندر جذبہ تنافس پیدا کرنے کے لیے سالانہ تقریری انعامی مسابقہ کرایا گیا۔ پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

خطابت بزبان اردو

- مرحلہ کلیات (حدیث، شریعہ و عہدہ)

تاریخ انعقاد: ۱۵ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات
عنوان: عصر حاضر میں فارغین طلبہ کو درپیش چیلنجز
صدارت: شیخ محمد یونس عبدالمتین مدنی
حکم: ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی و شیخ محمد عبدالقیوم مدنی
پہلی پوزیشن: مجاہد الاسلام منصور عالم
دوسری پوزیشن: شعیب ظہیر الدین
تیسری پوزیشن: محمد شاہ کرمی الدین

- عالم ثانی

تاریخ انعقاد: ۱۵ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات
عنوان: مسلم معاشرہ پر غیر اسلامی تہذیب کے اثرات
صدارت: شیخ عبدالکبیر مدنی

- عالم اول

حکم: شیخ محمد ایوب سلفی و شیخ اسرار احمد ندوی
پہلی پوزیشن: عبدالواحد انصاری عبدالمجید انصاری
دوسری پوزیشن: محمد مرتضیٰ مصطفیٰ میاں
تیسری پوزیشن: ذکی اللہ احمد ثناء اللہ احمد

تاریخ انعقاد: ۲ فروری ۲۰۲۳ء بروز جمعرات

عنوان: عقیدہ توحید امن و شائستگی کا پیغام
صدارت: شیخ ابوصالح دل محمد نور حسین سلفی
حکم: شیخ محمد انس کی و شیخ نور الہدی سلفی
پہلی پوزیشن: عبدالرب انیس الرحمن
دوسری پوزیشن: عبداللہ انس محمد شمیم
تیسری پوزیشن: اسد احمد عبدالعزیز

- ثانویہ

تاریخ انعقاد: ۲ فروری ۲۰۲۳ء بروز جمعرات
عنوان: اسلامی گھروں کے اوصاف
صدارت: شیخ فضل الرحمن سلفی
حکم: شیخ ریاض احمد سلفی و شیخ عبدالرحیم سلفی
پہلی پوزیشن: یاسر حسان محمد اسلم
دوسری پوزیشن: سید حاشا اختر ارشاد اختر
تیسری پوزیشن: عمار ضیاء محمد ضیاء الحق

- متوسطہ ثالثہ

تاریخ انعقاد: ۲۲ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات
 عنوان: عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم
 صدارت: شیخ عبدالرحیم محمد یونس سلفی
 حکم: شیخ عبداللہ زبیر سلفی و شیخ ریاض احمد سلفی
 پہلی پوزیشن: شیخ عبدالرحمن بن شیخ عبدالرحمن
 دوسری پوزیشن: ابو حذیفہ ارشاد اختر
 تیسری پوزیشن: محمد عثمان غنی خان بلال خان

- متوسطہ ثانیہ

تاریخ انعقاد: ۲۲ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات
 عنوان: علم دین کی اہمیت و فضیلت
 صدارت: شیخ عبداللہ زبیر سلفی
 حکم: شیخ عبدالرحیم سلفی و شیخ ریاض احمد سلفی
 پہلی پوزیشن: عمر عبداللہ بن عبداللہ سعود
 دوسری پوزیشن: مطیع الرحمن نصیر پرویز
 تیسری پوزیشن: سلیمان احمد اقبال احمد

- متوسطہ اولی

تاریخ انعقاد: ۲۱ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز بدھ
 عنوان: نماز کی اہمیت و فضیلت
 صدارت: شیخ ریاض احمد سلفی
 حکم: شیخ مجیب الرحمن سلفی و شیخ صالح عبدالواحد سلفی
 پہلی پوزیشن: اظہار الحق ثناء اللہ
 دوسری پوزیشن: عبدالرزاق عبدالسلام
 تیسری پوزیشن: نہال فیض انصاری

خطابت بزبان عربی

- کلیات (حدیث، شریعہ، دعویہ)

تاریخ انعقاد: ۲۵ جنوری ۲۰۲۳ء بروز بدھ
 عنوان: الانحراف الفکری: أسبابه و علاجه
 صدارت: ڈاکٹر عبدالصبور مدنی
 حکم: شیخ خورشید عالم مدنی و شیخ سیف الرحمن مدنی
 پہلی پوزیشن: محمد شاکر محی الدین
 دوسری پوزیشن: محمد شریف عالم مسرت علی
 تیسری پوزیشن: سفیان احمد ریاض الدین

- عالم ثانی

تاریخ انعقاد: ۲۵ جنوری ۲۰۲۳ء بروز بدھ
 عنوان: أثر العقیدة في صلاح العبد و نجاته
 صدارت: شیخ اسعد اعظمی مدنی
 حکم: ڈاکٹر عبدالجلیم مدنی و شیخ محمد یونس مدنی
 پہلی پوزیشن: عمر بن محمد شفیق
 دوسری پوزیشن: ابراہیم شاہ بندری
 تیسری پوزیشن: محمد امین بن محمد حیدر

- عالم اول

تاریخ انعقاد: ۲۲ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات
 عنوان: ادخلوا في السلم كافة
 صدارت: ڈاکٹر عبدالصبور مدنی
 حکم: شیخ انس مکی و طاہر حسین سلفی
 پہلی پوزیشن: عبدالرب انیس الرحمن
 دوسری پوزیشن: محمد ابوبکر محمد فخر الدین
 تیسری پوزیشن: سہیل اختر محمد ابوطاہر

- ثانویہ

تاریخ انعقاد: ۲۲ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات

عنوان: أثر القرآن في قلوب الإنسان

صدارت: شیخ مجیب الرحمن سلفی

حکم: شیخ محمد یونس سلفی و شیخ صالح عبدالواحد سلفی

پہلی پوزیشن: یاسر حسان محمد اسلم

دوسری پوزیشن: عبداللہ انصاری انیس الرحمن انصاری

تیسری پوزیشن: احمد فہمی محفوظ الرحمن

خطابت بزبان انگریزی

- کلیات (حدیث، شریعہ، دعوہ)

تاریخ انعقاد: ۲۲ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات

عنوان: Islam and Bortherhood

صدارت: ماسٹر نیر واحدی صاحب

حکم: ماسٹر عرفان ملک و ماسٹر وقار احمد صاحبان

پہلی پوزیشن: شاہنواز عالم سعید الرحمن

دوسری پوزیشن: مسعود عالم ابوالکلام

تیسری پوزیشن: سفیان احمد ریاض الدین و اشفاق احمد ڈار

عبدالواحد ڈار

- عالم اول و دوم

تاریخ انعقاد: ۱۴ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز بدھ

عنوان: Tolerance in Islam

صدارت: ماسٹر عرفان احمد ملک صاحب

حکم: ماسٹر نیر واحدی و ماسٹر وقار احمد صاحبان

پہلی پوزیشن: استغاب عالم منزل حق

دوسری پوزیشن: محمد ذوالقرنین محمد سہراب

تیسری پوزیشن: تنویر عالم عبدالعزیز

خطابت بزبان ہندی

- کلیات (حدیث، شریعہ، دعوہ)

تاریخ انعقاد: ۲ فروری ۲۰۲۳ء بروز جمعرات

عنوان: इस्लाम और मानवता का सम्मान

صدارت: ماسٹر حمزہ صاحب

حکم: شیخ عبداللہ ذبیر سلفی و شیخ مجیب الرحمن سلفی

پہلی پوزیشن: مجاہد الاسلام ابوالقاسم

دوسری پوزیشن: اسحاق بن قیوم

تیسری پوزیشن: محمد شا کریمی الدین

- عالم اول و دوم

تاریخ انعقاد: ۲۴ جنوری ۲۰۲۳ء بروز منگل

عنوان: इस्लाम शांति और अमन का मजहब

صدارت: شیخ عبداللہ ذبیر سلفی

حکم: شیخ ریاض احمد سلفی و ماسٹر حمزہ صاحب

پہلی پوزیشن: محمد سائل سواد الرحمن

دوسری پوزیشن: محمد ابوبکر محمد فخر الدین

تیسری پوزیشن: امداد فردوس محمد مختار عالم

تقریب تقسیم انعامات

۲۶ فروری ۲۰۲۳ء بروز اتوار دس بجے صبح، ناظم جامعہ

جناب مولانا عبداللہ سعید سلفی کی صدارت میں جامعہ کے

قائمہ المحاضرات کے اندر سالانہ تقریری انعامی مقابلہ میں

شریک ہونے والے کامیاب طلبہ کے درمیان تقسیم انعامات

کا ایک خصوصی پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت

قرآن کریم سے ہوا پھر چند طلبہ جامعہ نے ترانہ جامعہ پیش

نماز باجماعت کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا جماعت سے نماز پڑھنا اپنے گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے اور یہ اس لیے ہے کہ جب آدمی وضو کرے اور اچھی طرح سے وضو کرے، پھر وہ مسجد کی طرف جائے اور مسجد کی طرف جانے سے اس کا مقصد سوائے نماز کے کوئی اور نہ ہو تو یہ جو قدم بھی اٹھائے گا اس کے ذریعہ سے اس کا ایک درجہ بلند اور ایک گناہ معاف ہوگا، پھر جب نماز پڑھ لے گا تو جب تک با وضو اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہے گا فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہیں گے۔ فرشتے کہتے ہیں اے اللہ اس پر رحم فرما، اے اللہ اس پر مہربان ہو جا۔ اور جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا ہے وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے۔

(متفق علیہ)

کیا پھر پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کے درمیان انعامات تقسیم کیے گئے۔ آخر میں ناظم جامعہ کو صدارتی خطاب کے لئے دعوت دی گئی۔ حمد و صلاۃ کے بعد آپ نے کامیاب ہونے والے طلبہ کو مبارکباد پیش کیا جو نچے پوزیشن حاصل نہیں کر سکے تھے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا کہ آپ کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے آپ بھی محنت کریں۔ نیز آپ نے طلبہ کو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے کی نصیحت کی اور انہیں دعائیں دیں۔

واضح ہو کہ پروگرام میں اساتذہ جامعہ اور شہر کے کچھ عمائدین اور جامعہ کے کچھ ممبران نے شرکت کی تمام لوگوں نے جامعہ کی علمی کارکردگی سے اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ پھر دعاؤں کے ساتھ پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

☆☆☆

باب الفتاویٰ

وہ دو رکعت پر سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت پڑھے یعنی تین رکعت والی نماز وتر دو سلام اور دو قعدہ کے ساتھ پڑھی جائے۔

(۱) دوسری صورت: ایک سلام اور ایک ہی قعدہ سے تینوں رکعت پڑھے، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لا يقعد الا في آخرهن. (سنن بیہقی ۳/ ۲۸۷، مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ۲/ ۴۷۴)

یعنی رسول اکرم ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے تو صرف آخری رکعت میں قعدہ کرتے تھے، اس کے پہلے دوسری رکعت میں قعدہ نہیں کرتے تھے، تاکہ نماز مغرب سے اس کی مشابہت نہ ہو کیونکہ تین رکعت وتر کو مغرب کی طرح پڑھنے سے خود ہمارے رسول ﷺ نے منع کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مرعاة المفاتیح ۲/ ۴۷۴)

جواب نمبر ۲: صورت مسؤلہ میں واضح ہو کہ قرآن و سنت کی واضح دلائل سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف ایک ایسی عبادت ہے جو مسجد کے ساتھ خاص ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ولا تباشروهن و أنتم عاكفون في المساجد. (البقرة: ۱۸۷) اور اگر تم مسجدوں میں اعتکاف کئے ہوئے ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔

سوال نمبر ۱: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں وتر کی نماز عموماً حرمین کی طرح فصل کے ساتھ ادا کی جاتی ہے سوال یہ ہے کہ تین رکعت نماز وتر ادا کرنے کا مشروع طریقہ کیا ہے؟

سوال نمبر ۲: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ کیا گھر میں اعتکاف کیا جاسکتا ہے؟ کیا عورتیں اپنے گھروں میں اعتکاف کر سکتی ہیں؟

الجواب بعون اللہ الوہاب وهو الموفق للصواب.

جواب نمبر ۱: واضح ہو کہ بہت ساری احادیث صحیحہ کے مجموعہ سے تین رکعت وتر پڑھنے کی دو صورتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

(۱) پہلی صورت: دو رکعت پر قعدہ کر کے سلام پھیر دیا جائے، اور دوسرے تحریمہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کے ساتھ سلام پھیر دیا جائے۔

صحیح البخاری میں ہے: صلاة الليل مثنى مثنى فإذا أردت ان تنصرف فاركع ركعة توتر لك ما صليت. (صحیح البخاری مع الفتح ۲/ ۴۲۸) یعنی رات کی نماز دو رکعت پڑھی جائے، پھر جب اس نماز کا سلسلہ ختم کرنا چاہو، تو ایک رکعت آخر میں پڑھ لو۔ یہ ایک رکعت آخری والی نماز تمہاری پڑھی ہوئی تمام سابقہ نمازوں کو وتر بنا دے گی۔

صلاة الليل مثنى مثنى کا مطلب یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے، دریں صورت جو آدمی تین رکعت وتر پڑھنی چاہے

صلى الله عليه وسلم يعتكف في كل رمضان
فإذا صلى الغداة دخل مكانه الذي اعتكف فيه
، قال: فاستأذنته عائشه أن تعتكف فاذن لها
فضربت فيه قبة ، فسمعت بها حفصة فضربت
قبة ، و سمعت زينب بها فضربت قبة أخرى
..... الخ (البخارى باب الاعتكاف فى الشوال:
(۲۰۴۱)

ان احاديث نبويه سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول
ﷺ اور امہات المؤمنین وغیرہ نے بھی مسجد ہی میں
اعتکاف کیا ہے۔

اس لئے مرد و عورت دونوں کے لئے اعتکاف مسجد ہی
میں مشروع ہے، مسجد سے باہر نہیں۔

اسی بات کے قائل فقیہ زمانہ ماضی قریب علامہ محمد بن
صالح العثیمین بھی ہیں (الشرح الممتع ۲ / ۴۹۹-۵۰۰)
نیز شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کا فتویٰ دیا
ہے (مجموع الفتاویٰ سماحۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ ۱۵ / ۲۶۳)
علاوہ ازیں امام قرطبی رحمہ اللہ نے مسجد ہی میں
اعتکاف کے مشروع ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

واضح یہ ہوا کہ مرد یا عورت کسی کے لئے گھر میں
اعتکاف کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اعتکاف ایسا عمل ہے جو
مسجد کے لئے خاص ہے۔

هذا ما عندى واللہ اعلم بالصواب

ابوعفان نور الہدیٰ عین الحق سلفی

☆☆

اعتکاف کے لئے مسجد خاص ہے، اس کے بغیر یہ
عبادت اور کہیں انجام نہیں دی جاسکتی، جس طرح حج و عمرہ
مکہ مکرمہ کے علاوہ اور کہیں انجام نہیں دیئے جاسکتے۔

محدث کبیر شارح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ (صحیح
مسلم حدیث نمبر ۱۱۷۲) کے تحت رقمطراز ہیں کہ اعتکاف
مسجد کے علاوہ کہیں بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ نبی ﷺ،
آپ کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین مشقت اور پریشانی کے باوجود اعتکاف مسجد ہی میں
کیا کرتے تھے۔ اگر گھر میں اعتکاف درست ہوتا تو ایک
مرتبہ ہی سہی ضرور کرتے خاص کر عورتیں کیونکہ ان کی
ضرورتیں گھروں ہی میں ہوتی ہیں۔

حضرت امام نافع بیان فرماتے ہیں کہ:

وقد أرانى عبدالله رضى الله عنه المكان
الذى كان يعتكف فيه رسول الله صلى الله
عليه وسلم من المسجد (صحیح مسلم: ۱۱۷۱) یعنی
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے وہ جگہ دکھائی جہاں پر
مسجد میں نبی ﷺ اعتکاف کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری کی درج ذیل روایتیں بھی مسجد ہی میں
اعتکاف کے خاص ہونے پر واضح دلیل ہیں۔

(۱) عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان
رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتكف في
العشر الأواخر من رمضان فكننت أضرب له
خباء فيصلى الصبح ثم يدخله الخ
(البخارى: باب اعتكاف النساء: ۲۰۳۳)

(۲) عن عائشة قالت: كان رسول الله

PRINTED BOOK

MARCH & APRIL 2023

ISSN 2394-0212

Vol.XL No.03

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اپیل برائے تعاون

الجامعة السلفية (مرکزی دارالعلوم) بنارس

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله، وعلى آله وأصحابه ومن والاه.

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تعلیم کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس پوری دنیا میں معروف و مقبول اور ایک معیاری ادارہ ہے، جہاں سے ہر سال علماء و فضلاء کی ایک بڑی ٹیم علم دین حاصل کر کے نکلتی ہے۔ یہ علماء مساجد و مدارس میں امامت و خطابت، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ان علماء کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنا صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی ان کی تعلیم میں مدد کرنے والوں کو ملتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

جامعہ سلفیہ میں اسی (۸۰) سے زائد لوگوں کی تنخواہ دی جاتی ہے اور آٹھ سو سے زائد علم دین حاصل کرنے والے غریب بچوں کو تین وقت کا کھانا بلا فیس کھلایا جاتا ہے۔ بجلی، پانی ور کھر رکھاؤ پر اخراجات بھی کئی ملین ہیں۔ یہ سب اہل خیر کے عطیات و زکوٰۃ سے ہی پورے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تعاون کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

آج جامعہ کو مزید فنڈ کی ضرورت ہے تاکہ کام میں رکاوٹ کو دور کیا جاسکے اور اس کو مزید بہتر بنایا جاسکے۔ اہل خیر حضرات سے خصوصی گزارش ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں خصوصی تعاون پیش فرمائیں تاکہ یہ عظیم ادارہ بحسن و خوبی قوم کی خدمت کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور رمضان کے مبارک مہینہ میں زیادہ سے زیادہ خیر کے کاموں کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

والسلام
عبداللہ سعود سلفی
ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس

ترسیل زر کے لیے جامعہ کے بینک اکاؤنٹ نمبر

AL- JAMIA TUS SALAFIAH

Axis Bank Current A/c No. 919010082078900

SBI Current A/c No. 39769749945

RTGS / IFSC / NEFT No. UTIB0002159

RTGS / IFSC / NEFT No. SBIN0001773

www.aljamiatussalafiah.org

رابطہ نمبر: 8707293380
(مولانا عیوب الدین صاحب)

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.